ISSN 2079-8563
شمارہ ۳۲، ۲۰۱۲ء، ۱۴۳۳ھ

معارفِ رضا

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا
Raza Research Institute
www.imamahmadraza.net

سالنامہ ۲۰۱۲ء، ۱۴۳۳ھ

معارفِ رضا

اسلامی تحقیقی مجلہ

سالنامہ معارفِ رضا

جلد ۳۲ (۲۰۱۲ء)

مشمولات

اداریہ آ۔ہ

جدید اُردو نعتیہ شاعری پر رضا بریلوی کے اثرات ۱۔۳۳
صاحبزادہ سیّد وجاہت رسول قادری

اسلامک بینک کا موجد امام احمد رضا ۳۵۔۵۰
پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

مولانا حسن رضا خاں بریلوی کی تصنیفی خدمات ۵۱۔۷۷
محمد ثاقب رضا قادری

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی اور برِّ صغیر کی سیاسی تحریکات ۷۹۔۱۰۵
ڈاکٹر محمد حسن امام

مقاصدِ تعلیم، امام احمد رضا کی نظر میں ۱۰۷۔۱۱۷
سلیم اللہ جندران

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل

کراچی، پاکستان

تبصرہ کتب

بک ریویو "سالنامہ معارفِ رضا 2011ء" ۱۱۷–۱۲۵

ڈاکٹر سلیم اللہ جندران

The Role of interest in socio-Economic Exploitation 1-9

Saqib Muhammad Khan

اداریہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ؕ﴿۵﴾۔ (سُوْرَۃُ الْعَلَق، آیات ۴،۵)

جس نے قلم سے لکھنا سکھایا۔ آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا

آیت بالا میں اللہ عزوجل نے قلم کی اہمیت کا ذکر فرمایا کہ اللہ عزوجل نے انسان کو ہی یہ صلاحیت عطا فرمائی ہے کہ وہ اس کی عطا سے لکھنا پڑھنا سیکھتا ہے اور پھر وہ اس کو آگے پہنچاتا ہے اس قلمی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگائے کہ جب مسلمانوں کا دشمنوں سے پہلی مرتبہ بدر کے میدان میں آمنا سامنا ہوا جس میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی، اس موقعہ پر کئی پڑھے لکھے کفار و مشرکین قیدی بنائے گئے ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ نے ان مجرموں اور قیدیوں کی علمی وقار کے پیش نظر ان سے کہا کہ آپ ہمارے لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو آپ کو بغیر کسی مالی معاوضہ کے قید سے آزادی دے دی جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا کفار و مشرکین نے مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیا جس کے صلے میں وہ رہائی پا گئے۔ یہ بات تاریخ میں اہمیت کی حامل ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان ان افراد کی بہت زیادہ تعظیم و توقیر کی جاتی تھی جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے اس جذبے نے جلد ہی مسلمانوں میں ایک بڑا طبقہ پڑھا لکھا پیدا کر دیا جس نے دوسری صدی ہجری سے جو لکھنا شروع کیا تو لکھ لکھ کر ڈھیر لگا دیا ایک طرف کتب اسلامی لکھی جارہی تھیں تو دوسری طرف دنیاوی علوم پر بھی قلمی تحریریں سامنے آرہی تھیں۔ تیسری صدی ہجری تا 10 ویں صدی ہجری تو مسلمانوں کا تحریری دنیا میں گولڈن پیریڈ ہے جس میں دینی و دنیاوی دونوں علوم مین ان گنت کتب ضبط تحریر میں آئیں مگر نہ جانے کتنی قلمی کتب مختلف زمانوں میں دشمنوں کے حملوں کے باعث یا تو دریابرد کر دی گئیں یا جلادی گئیں یا دشمن اپنے ساتھ لے گئے اور اپنے ناموں سے شائع کر دیں۔ اللہ عزوجل نے اپنی کتاب قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا اس لیے اللہ تعالیٰ نے کی حفاظت بھی فرمائی۔

تاریخ میں لکھنے والوں کی تعداد کا تعین تو نہ ممکن ہے مگر ان مؤلفین اور مصنفین کی تعداد کا تعین کیا جاسکتا ہے کہ جنھوں نے بہت زیادہ لکھا نہ صرف زیادہ بلکہ مختلف عنوانات پر لکھا اور بعض کتب تو 30-30 جلدوں میں لکھ دیں۔ پھر ایسے بھی لکھنے والوں کی کمی نہیں مگر تعداد میں وہ بہت زیادہ نہ ہوں گے جنھوں نے مختلف جہتوں میں لکھا اور سینکڑوں تصانیف یادگار چھوڑیں ان میں چند نام شاید آپ کی یاد داشت میں آجائیں مثلاً: حضرت علامہ جلال الدین سیوطی، حضرت علامہ الوھاب شعرانی، حضرت علامہ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ ان ہی میں ایک نام کا اور اضافہ کرلیں اور وہ نام ہے حضرت علامہ مولانا امام احمد رضا خاں قادری برکاتی محدث بریلوی جن کی تصانیف کی تعداد 1000 سے تجاوز ہے اور جن کے عنوانات کا حتمی تعین ابھی تک نہیں کیا جاسکا کہ جب تک ان کی تمام تصانیف کا کوئی مطالعہ نہیں کرلیتا اس وقت تک ان کی اس تعداد کا پتہ چلانا نہ ممکن ہے کہ انھوں نے کتنے Disciplinc میں کتب تصنیف یا تالیف فرمائی ہیں ایک محتاط اندازے کے مطابق یہ تعداد 100 سے تجاوز ہے اور احقر کی تحقیق میں یہ بہت کم ہے کہ جب احقر ان کی تحریر مطالعہ کرتا ہے تو ہر تصنیف میں متعدد علوم وفنون کی باتیں تحریراً نظر آتی ہیں:

حضرت داغ دہلوی نے جب اپنے شاگرد مولانا محمد حسن رضا قادری بریلوی کے توسط سے امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری دیکھی تو برملا کہہ اٹھے۔

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

حضرت داغ نے تو یہ بات یقیناً امام احمد رضا کے لیے شاعری کے حوالے سے کہی ہوگی کیونکہ کہ شاعری کی دنیا میں آپ نے وہ کمالات دکھائے ہیں کہ اپنے وقت کے عظیم شاعر نے امام احمد رضا کو "ملک سخن کا شاہ" قرار دیا مگر جب دورِ حاضر کے ممتاز حکیمِ ملت محترم جناب حکیم محمد سعید صاحب کی نظر امام احمد رضا کے علوم وفنون پر پڑی تو بول اٹھے:

"گزشتہ نصف صدی میں طبقۂ علماٗ میں جو جامع شخصیات ظہور میں آئی ہیں ان میں مولانا احمد رضا خاں کا مقام بہت ممتاز ہے۔ ان کی علمی، دینی اور ملی خدمات کا دائرہ وسیع ہے۔ تفقہ اور دینی علوم میں فاضل بریلوی کی مہارت کے ساتھ سائنس اور طب کے علوم میں بھی ان کی بصیرت علما سلف کے اس

ذہن وفکر کی نمائندگی کرتی ہے جس میں دینی ودنیاوی علوم کی تفریق نہ تھی ان کی شخصیت کا یہ پہلو عصر حاضر کے علما اور دانش گاہوں کے متعلمین دونوں کو دعوت فکر و مطالعہ دیتا ہے۔ ان کی تصانیف ہمارے لیے پیش بہا علمی ورثے کی حیثیت رکھتی ہیں ان کے تحقیقی مطالعہ سے علوم وفنون کے بہت سے گوشے سامنے آسکتے ہیں" (حکیم محمد سعید پیغام امام احمد رضا کانفرنس 1988ء، مجلہ امام احمد رضا کانفرنس 1988ء، ص 15، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا)

امام احمد رضا کی علمی مکتوبات جب ایک غیر جانبدار قلمکار محترم کوثر نیازی جیسے صاحب فن کے نظر سے گذریں تو قلم نے وہ لکھ دیا جو حق تھا آپ رقمطراز ہیں:

"جامع الصفات شخصیات تو بہت گذری ہیں مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ جب ایک غیر جانبدار مبصر کم سے کم برصغیر پاک وہند کو دیکھتا ہے تو اتنی جامع الصفات شخصیت جیسے حضرت شاہ احمد رضا خاں کی ہے دوسری کوئی نظر نہیں آتی، کون سا علم تھا جس میں ان کو دسترس نہ تھی وہ علم قرآن ہو، علم حدیث ہو، علم فقہ ہو، علم تفسیر ہو، علم ہندسہ ہو، علم ریاضیات ہو، علم مناظرہ ہو، علم فلسفہ ہو جس میں انھیں عبور حاصل نہ ہو۔ وہ بیک وقت سیاستدان بھی تھے، فقیہہ بھی، متکلم بھی تھے مفسر بھی، مفکر بھی تھے ادیب بھی، خطیب بھی تھے محدث بھی اور جس جس میدان میں انھوں نے قدم رکھا اس میدان میں انھوں نے پرچم گاڑھے وہ آج تک لہرا رہے ہیں:

جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دئے ہیں

(کوثر نیازی "ایک جامع صفات شخصیت، مجلہ امام احمد رضا کانفرنس 1990ء، ص 37)

راقم عرض کر رہا تھا کہ کثیر تعداد میں تصنیف لکھنے والوں کا تذکرہ جمع کیا جائے تو امام احمد رضا قادری محدث بریلوی ان کثیر تعداد میں لکھنے والوں میں سر فہرست ہوں گے اور بہت ممکن ہے کہ وہ کثیر تصانیف لکھنے والے گروہ میں سب سے اوپر مقام پائیں کہ جتنے موضوعات پر امام احمد رضا کی تصانیف پائی جاتی ہیں اتنی کثیر تعداد میں عنوانات کے اعتبار سے شاید ہی کوئی ان کے مقابل نظر آئے۔ اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے خوب لکھا اور بہت لکھا اور اتنی کثیر جہتوں میں لکھا کہ سب محو حیرت ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اس مرد مجاہد پر کتنا کرم ہے کہ جس علم وفن پر بھی قلم اٹھایا اس کا حق ادا کر دیا سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ کے وصال کو تقریباً ایک صدی ہو رہی ہے اور آپ کی اکثر تصانیف کو 150 برس مکمل ہو چکے ہیں اس دوران آپ کی تحریر کا حصہ جو شائع ہو کر اہلِ علم کی نظروں سے گذر چکا ہے جس میں علماء

فضلا کثیر تعداد شامل ہے مگر کسی نے ابھی تک ان کے لکھے ہوئے کو چیلنج نہ کیا اگر کسی نے کم علمی کی وجہ سے ان کی تحقیقات کو چیلنج کرنے کی جسارت کی لیکن جیسے جیسے ان کی علمی بالیدگی پروان چڑھی تو وہ آپ کے ہم زبان دکھائی دیئے اور کہا:

ہم نے ایسانہ کوئی لکھنے والا دیکھا

قارئین کرام! امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی کے علمی کارناموں کو دوشناس کرتے ہوئے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کو 32 سال مکمل ہوگئے۔ ادارہ ہر سال امام احمد رضا کانفرنس کے انعقاد کے ساتھ ساتھ سالانہ معارف رضا کا اجرا بھی کرتا ہے چنانچہ 32واں شمارہ آپ کے سامنے ہے۔

اس شمارے میں کئی اہم مقالات آپ کے ذوق کے لیے شائع کیے جارہے ہیں سب سے پہلے آپ مقالہ بعنوان ''جدید اردو شاعری پر رضا بریلوی کے اثرات'' ملاحظہ کریں گے جو ادارہ کے صدر نشین حضرت مولانا سید وجاہت رسول قادری رضوی نوری تاباںؔ کا ہے۔ آپ نے پچھلی 3 دھائیوں میں امام احمد رضا کی شاعری کے حوالے سے کئی اہم مقالات تحریر فرمائے ہیں زیرِ نظر مقالہ بھی آپ کی علمی کاوش کا ایک اور حسنِ شاہکار ہے جس میں آپ نے دور جدید کی نعتیہ شاعری میں امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری کے اثرات کا جائزہ لیا ہے۔ اس سالنامے میں دوسرا اہم مقالہ پروفیسر ڈاکٹر حسن امام صاحب کا ہے جو پچھلے 18 سال سے وفاقی اردو یونیورسٹی میں شعبہ اسلامیات میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں آپ نے امام احمد رضا کے خلفاء کی دینی علمی خدمات پر مقالہ لکھ کر 2006ء میں Ph.D کی اعلیٰ سند حاصل کی تھی۔ آپ کا مقالہ امام احمد رضا کی برصغیر میں سیاسی تحریکات سے متعلق ہے جس میں آپ نے اس بات کو تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ امام احمد رضا اپنے وقت کے بہت بڑے مدبر اور سیاسی سمجھ بوجھ رکھنے والے تھے اور وہ ملت کو کسی بھی سیاسی تحریک کے مستقبل میں پڑنے والے اثرات سے پیشگی آگاہی فرمادیتے۔

امام احمد رضا کے نظریہ تعلیم پر مقالہ لکھنے والے اہلِ سنّت کے اہم اسکالر ڈاکٹر سلیم اللہ جندران ہیں جو اگرچہ بہاوالدین منڈی میں ایک اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں مگر آپ نے قلم کو بہت مظبوطی سے تھامہ ہوا ہے، آپ تعلیم کے شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں اور خاصہ ادبی ذوق رکھتے ہیں ساتھ ساتھ اردو اور انگریزی زبانوں میں کئی مقالات اور کتابوں کے مصنف ہیں اس لیے آپ نے بہت ہی غائر نظر کے ساتھ امام احمد رضا کے تعلیم سے متعلق امور پر عمیق مطالعہ کے بعد امام احمد رضا کے تعلیمی نظریہ کا احاطہ کرتے

ہوئے "مقاصد تعلیم امام احمد رضا کی نظر" کے عنوان پر ایک پر مغز مقالہ تیار کیا ہے جو آپ کی نظر ہے اور اس سالنامہ کی زینت ہے۔

مولانا حسن رضا خاں قادری بریلوی امام احمد رضا کے منجھلے بھائی ہیں اور امام احمد رضا کی توجہ خاص سے پہلے غزلیات کے بہترین شاعر تھے اور کیوں نہ اچھے شاعر ہوتے کہ داغ دہلوی کے شاگرد تھے مگر امام احمد رضا نے آپ کی شاعرانہ صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور آپ کو نعتِ رسول مقبول ﷺ کی طرف رغبت دلائی چنانچہ جلد ہی نعتیہ دیوان "ذوق نعت" تیار ہو گیا ساتھ ہی ساتھ آپ نے امام احمد رضا کی تربیت کے باعث کئی اہم تصانیف بھی تصنیف فرمائی جس میں کربلا کے عنوان پر آپ کی تصنیف کو امام احمد رضا نے فرمایا کہ اس میں حسن رضا نے تمام صحیح روایات بیان کی ہیں۔ محترم محمد ثاقب رضا قادری نے "مولانا حسن رضا بریلوی کی تصنیفی خدمات" کے عنوان پر ایک مقالہ لکھا ہے جس میں مولانا حسن کی قلمی خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔

آخری ایک مقالہ ڈاکٹر ثاقب محمد خاں کا انگریزی میں ضرور مطالعہ کریں آپ ایک فاضل نوجوان اسکالر ہیں کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کی انگریزی میں لکھی ہوئی درسی کتب آکسفورڈ بک پبلیشر نے شائع کی ہیں آپ نے امام احمد رضا کی تعلیمات کی روشنی میں سود کے جو اثرات معاشرتی زندگی پر پڑتے ہیں اس کا بغور جائزہ لیا ہے۔

قارئین کرام! الحمد للہ ادارہ کے قیام سے اب تک تسلسل کے ساتھ سالنامہ معارفِ رضا کا اجرا ادارہ کی جانب سے جاری ہے اور آج آپ کے ہاتھوں میں یہ 32 واں شمارہ ہے ادارے کے تمام اراکین آپ سب کی دعاؤں کے طلبگار ہیں اور تمام معاونین کے مشکور ہیں۔

مدیر

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

جدید اُردو نعتیہ شاعری پر رضا بریلوی کے اثرات

صاحبزادہ سیّد وجاہت رسول قادری
صدرِ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا

Abstract: Sahabzada Wajahat Rasool Qadri Presented this research paper and discussed the topic "Jaded Urdu Natiya Shairy Par Raza Barelvi Ke Asrat" The History of Naat Poetry is as old as Hazrat Adam (As) it is directly related with the praise of the Holy Prophet. To write, read and listen Naat is the sign of love to the Holy Prophet. It is clear order of Allah to pay Salat w Salam on upon him.
Imam Ahmad Raza Brelvi is a Muslim thinker and had a great influence upon the Urdu Naat Poetry in his poetry love of the Holy prophet is been seen as a as core position.
He was true devotee of the last messenger of Allah. Raza Barelvi had influence upon Urdu Naat Poetry he expressed that love of God can not be gained with out the love of the Holy Prophet. In his Naat Poetry he maintained the between balanced in the praise of Allah and Messenger of Allah. This research paper is use full for the scholar of Urdu literature.

نعت گوئی کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ اس کا تعلق براہِ راست اس عہد سے ہے جب پہلے انسان حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ التحیۃ والثناء اس دنیائے آب و گل میں تشریف لائے، بلکہ آیاتِ ربانی ہمیں واضح طور سے بتاتی ہیں کہ نعت خوانی کا یہ عمل تو اس سے بھی کہیں زیادہ قدیم ہے اور ابد الآباد تک جاری رہے گا۔ اس سلسلے میں قرآنِ مجید میں عالمِ ارواح کی دو مبارک محفلوں کا ذکر ملتا ہے: ایک عمومی اور دوسری خصوصی۔ پہلی محفل میں ''أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' کے تحت اپنے محبوبِ مکرم سیّدِ عالم ﷺ کی زبانِ اطہر سے اپنی ربوبیت کا اقرار لفظِ ''بَلیٰ'' سے کروایا اور پھر آپ ﷺ کی پیروی میں تمام ارواحِ انس و جن نے ''بَلیٰ'' کہا۔[۱] دوسری محفل ''میثاق النّبیّین'' کے نام سے منعقد ہوئی، جس میں سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کے اعلیٰ وارفع مقام سے تمام انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی ارواحِ مبارکہ کو متعارف کرایا گیا اور آپ پر ایمان لانا اور آپ کی مدد کرنا ہر ایک پر لازم کیا گیا اور اس پر بقسم ان سب سے عہد بھی لیا گیا۔[۲]

سیّد الوریٰ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی نعت لکھنا، پڑھنا اور سننا بامرِ الٰہی ایک عظیم عبادت ہے۔ اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ نے بارگاہِ سیّدِ عالم ﷺ میں درود و سلام بھیجنے کا، جس میں زبان و قلم دونوں شامل ہیں، واضح حکم دیا ہے[۳]۔ یہ درود و سلام منثور بھی ہو سکتا ہے اور منظوم بھی۔ منثور صلوٰۃ و سلام کی بہترین مثال فنافی الرسول، امامِ وقت، ولیِ کبیر، قطبِ شہیر، سیّد العارفین، حضرت الشیخ سیّدنا ابو عبد اللہ محمد بن سلیمان الجزولی سملالی حسنی رضی اللہ عنہ (ولادت ۸۰۷ھ / ۱۴۰۴ء /۔ وفات ۸۷۰ھ / ۱۴۶۵ء) کی مشہورِ زمانہ تالیف ''دَلَائِلُ الْخَيْرَاتِ وَشَوَارِقُ الْاَنْوَارِ فِیْ ذِكْرِ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلِہٖ وسلم'' ہے۔

منظوم درود و سلام بے شمار لکھے گئے ہیں۔ سیّدِ عالم ﷺ کے دورِ ہمایونی سے لے کر آج تک ہر دور، ہر علاقے اور ہر زبان کے اہلِ ایمان شعراء نے منظوم درود و سلام لکھنے میں طبع آزمائی کی ہے اور انشاء اللہ یہ سلسلہ صبحِ قیامت تک جاری رہے گا، بلکہ بروزِ حشر اور بعدِ حساب و کتاب جنّت کی فضاؤں میں بھی جاری و ساری رہے گا۔ لفظ ''نعت'' کے لغوی و اصطلاحی معانی کی تفصیل میں جائے بغیر مختصراً یوں سمجھیے کہ ان منظوم صلوٰۃ و سلام کو ہی نعت کہا جاتا ہے۔

عربی نعتیہ میں حضورِ اکرم ﷺ کے دورِ ہمایونی میں حضرت حسان بن ثابت اور حضرت زہیر بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نعتیہ قصائد بہت مشہور ہیں۔ بعد کے دور میں بہت سے قصائد لکھے گئے لیکن قصائد میں حضرت امام شرف الدین بوصیری علیہ الرحمۃ والرضوان کے قصیدۂ بردہ شریف کو جو شہرت و مقام ملا ہے، وہ اظہر من الشّمس ہے۔ اسی طرح فارسی زبان میں جید اور افاضل شعراءِ کرام نے نعتیں کہی ہیں؛ مثلاً ابومعید ابوالخیر (م ۴۴۰ھ / ۱۰۴۹ء)، حکیم سینائی (م ۵۴۵ھ)، خاقانی نظامی گنجوی، فرید الدین عطار، شیخ سعدی وغیر ہم اور دورِ جدید میں علامہ اقبال (م ۱۹۳۸ء) معروف نعت گو شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی (م ۱۹۲۱ء) نے بھی فارسی میں نعتیں کہی ہیں۴؛ لیکن مولائے روم علیہ الرحمۃ کی مثنوی شریف اور علامہ جامی قدس سرہٗ کے کلام کو جو قبولِ عام نصیب ہوا، وہ شاید دوسروں کو نہیں مل سکا۔ ہندوستان کے دیگر فارسی شعرا میں حضرت امیر خسؔرو، عرؔفی شیرازی، مرزا بیؔدل، قدؔسی، غاؔلب معروف ہیں۔

اردو نعت کا آغاز اردو زبان کی ابتدا کے ساتھ ہی ہوا۔ (سولھویں صدی عیسوی کا آخر اور سترھویں صدی کا آغاز) اردو زبان میں نعتیہ ادب کا پہلا نمونہ صوفیائے کرام کے قصائد، عارفانہ گیتوں اور جکریوں (ذکری اشعار) میں ملتا ہے، جو انہوں نے تبلیغِ اسلام اور حضورِ اکرم ﷺ کے فضائل و خصائل کے بیان کے سلسلے میں لکھی گئی تصانیف میں شامل کیے ہیں۵؛ جس میں دکن کے مشہور و معروف ولی اللہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمۃ والرضوان سرِفہرست ہیں۔ ان کا قصیدۂ نعتیہ بہت مشہور ہوا، جس کا مطلع ہے:

اے محمد ﷺ ہجلو جم جم جلوہ تیرا — ذات تجلی ہو گی سیں سپور نہ سیرا

بعض دیگر اشعار ملاحظہ ہوں:

واحد اپنی آپ تھا اپیں آپ نجھایا — پرکٹہ جلوے کارنے الف میم ہو آیا
عشقوں جلوہ دینے کو کاف نون بسایا — لولاك لما خلقت الافلاك خالق پالائے
فاضل افضل جتنے مرسل ساجد سجود آئے — امت رحمت بخشش ہدایت تشریف لائے

ان کے بعد فخر الدین نظامی (م ۱۳۰۷ء)، قطب علی شاہ (۹۷۲ھ تا ۱۰۲۰ھ) اور ولی دکنی (م ۱۱۱۹ھ) تک بہت سے صوفی شعراءِ کرام کے نام آتے ہیں۔

اسی طرح دوسرے دور میں شمالی ہند میں سودؔا، میرؔ، مصحفیؔ (م ۱۲۴۰ھ)، مومنؔ وغیرہ کے نام نعتیہ شاعری کے حوالے سے بہت نمایاں ہیں۔[۶]

شمالی ہند میں اردو نعتیہ شاعری کے دوسرے دور کی ابتدا کرامت علی شہیدؔی، مولانا کفایت علی کاؔفی (ش ۱۸۵۶ء)، مولانا غلام امام شہیؔد، مولانا لطفؔ بریلوی اور مولانا تمنؔا مراد آبادی سے ہوتی ہے۔ بقول ڈاکٹر ریاض مجید، ان نعت گو شاعروں نے اردو نعت کو تقلیدی دور سے نکال کر تشکیلی دور میں داخل کیا۔ انہوں نے اپنے شغفِ نعت سے نہ صرف یہ کہ نعت گوئی کی ترویج و تشہیر میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں بلکہ نعت کے اعلیٰ نمونے بھی تخلیق کیے ہیں۔ یہی وہ دور ہے جب غزل کے دیوان کی طرح پہلی بار ردیف وار نعتیہ دیوان مرتب کرنے کا آغاز ہوا۔[۷]

شہیدِ آزادی حضرت مولانا کاؔفی قدس سرہٗ کا جب ذکر آیا ہے تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے حوالے سے ایک واقعے کا بیان اہلِ علم کے لیے دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ اس کا اعتراف تمام ناقدینِ نعتیہ ادب نے کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت نعت گوئی میں آدابِ شریعت کا خاص خیال رکھتے تھے؛ اس لیے وہ صرف ان شعرا کے نعتیہ اشعار سننا پسند فرماتے تھے، جنہیں وہ سمجھتے تھے کہ وہ نعت گوئی میں آدابِ شریعت اور مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں امام صاحب کے ملفوظات میں ایک واقعہ ملتا ہے کہ کسی شاعر نے آپ کو نعت سنانی چاہی تو آپ نے جواب میں فرمایا:

”سِوا دو کے کلام کے، میں قصداً کسی کا کلام نہیں سنتا۔ مولانا کاؔفی اور حسؔن میاں مرحوم کا کلام اوّل سے آخر تک شریعت کے دائرے میں ہے۔ باقی اکثر دیکھا گیا ہے کہ قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ حقیقت میں نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے، جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو اُلُوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔“[۸]

امام احمد رضا محدّثِ بریلوی قدس سرہٗ شہیدِ جنگِ آزادی مولانا کفایت علی کافیؔ علیہ الرحمۃ کی نعتیہ شاعری کے کس قدر دل دادہ تھے، وہ ان کی ایک رباعی سے بھی ظاہر ہے، جس میں انہوں نے علامہ کافیؔ کو اقلیمِ نعت کا سلطان تسلیم کیا ہے۔ وہ ملاحظہ ہو

مہکا ہے میرے بوئے دہن سے عالم یاں نغمۂ شیریں نہیں تلخی سے بہم
کافیؔ سلطانِ نعت گویاں ہے رضاؔ ان شاء اللہ میں وزیرِ اعظم۹

بعض ناقدانِ فنِّ نعت گوئی کے مطابق مولانا کفایت علی کافیؔ کے دور کے بعد یہی روایت امیرؔ مینائی اور محسنؔ کاکوروی کے دور تک پہنچ کر تکمیلِ فن کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔

امیرؔ مینائی (م۱۳۱۸ھ) نے نعت کے علاوہ غزل اور دوسری اصنافِ سخن میں بھی طبع آزمائی کی، لیکن ان کا زیادہ تر کلام نعتیہ موضوعات پر ہے۔ انہوں نے میلاد النبی ﷺ کے تمام مروج اور معروف و مقبول موضوعات پر نعتیں لکھی ہیں۔ ان کی ایک ترجیع بند نعت جو تیرہ بندوں پر مشتمل ہے اور غزلِ مسلسل کے انداز میں محامدِ خاتم النبیین ﷺ کے عنوان پر لکھی ہوئی ان کی نعتیں بہت مقبول ہوئیں اور مجالسِ میلاد شریف میں اکثر پڑھی جاتی رہی ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

۱۔ ترجیع بند:

کر دو خبر یہ محفلِ میلادِ شاہ ہے یاں آمدِ جنابِ رسالت پناہ ہے
اُمّت چلے رسول (ﷺ) کی یہ جلوہ گاہ ہے سیدھی یہی بہشت میں جانے کی راہ ہے
دربارِ عام گرم ہوا اشتہار دو جن و بشر سلام کو آئیں، پکار دو ۱۰

۲۔ محامدِ خاتم النبیین ﷺ

مژدہ اے امّت کہ ختم المرسلیں پیدا ہوا انتخابِ صنعِ عالم آفریں پیدا ہوا
نور جس کا قبلِ خلقت تھا، ہوا اس کا ظہور رحمت آئی، رحمت للعالمیں پیدا ہوا
چاہیے تعظیم کو اٹھیں جو ہیں محفل نشیں نائبِ خاصِ خدائے ماء و طیں پیدا ہوا ۱۱

ان کی غزلیہ نعتیں بھی بہت مشہور ہوئیں۔ عقیدت و محبت، عشق و سرمستی، جاں نثاری، شیفتگی وجاں سپردگی کا جذبہ ان کی نعتوں کی جان ہے۔ ایک مشہور نعتیہ غزل کے چند اشعار درجِ ذیل ہیں:

جب مدینے کا مسافر کوئی پاجاتا ہوں   حسرت آتی ہے یہ پہنچا، میں رہا جاتا ہوں
دو قدم بھی نہیں چلنے کی ہے مجھ میں طاقت   شوق کھینچے لیے جاتا ہے، میں کیا جاتا ہوں
قافلے والے چلے جاتے ہیں آگے آگے   مددا ے شوق کہ میں پیچھے رہا جاتا ہوں ۱۲؎

سیّد محمد محسن کاکوروی (م ۱۳۲۳ھ) کے ہاں دیکھا جائے تو اردو نعت گوئی کے گذشتہ ادوار کے مقابلے میں پہلی بار اردو نعت گوئی کا فن تکمیلی مراحل طے کرتا نظر آتا ہے۔ تقلیدی اور تشکیلی ادوار کی روش سے ہٹ کر محسن کا نعتیہ کلام پہلی بار اردو نعت گوئی کی تاریخ میں نعت کا ایک مثالی معیار پیش کرتا ہے۔ مزید بر آں ایک جداگانہ صنفِ سخن کے طور پر فنِّ نعت کو متعارف کرانے کا ذریعہ بنتا ہے، بلکہ اس کے لیے ایک اعلیٰ درجے کا تعین بھی کرتا نظر آتا ہے۔ بیش تر ناقدینِ فن نے محسن کاکوروی کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیتے ہوئے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ ان کی نعتوں میں تخلیقی شان پائی جاتی ہے۔ یہ اس لیے کہ اگرچہ نعت گوئی ہمیشہ سے موجود تھی اور اردو زبان کے ابتدائی مراحل میں بھی اس کا رواج تھا، لیکن اسے فن کی حیثیت سے کسی اردو شاعر نے محسن سے پہلے اختیار نہیں کیا اور نہ ہی ان سے قبل جن لوگوں نے محض عقیدت کی بنا پر نعت گوئی کو اپنا شعار بنایا، انہوں نے کوئی شاعرانہ کمال پیدا کیا۔ محسن کے کلام کی خوبی یہ ہے کہ ان کا کلام جذبات کی غیر فانی بنیادوں؛ یعنی عشقِ صادق، شیفتگی اور عقیدت، جو ان کی زندگی کے عناصر تھے؛ پر استوار ہے۔ ۱۳؎

غرض کہ محسن کاکوروی کا کلیات سراپا نعت اور ان کی نعتیہ شاعری مختلف النوع اَصنافِ سخن پر مشتمل ہے۔ ان کی مثنویوں میں ''صبحِ تجلّی'' اور ''چراغِ کعبہ'' زیادہ معروف ہیں، جبکہ قصائد میں ''مدیحِ خیر المرسلین ﷺ'' جس کا دوسرا نام ''قصیدۂ لامیہ'' بھی ہے۔

مثنوی صبحِ تجلّی تقریباً پونے دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا ابتدائیہ ملاحظہ ہو، کیا خوب صورت منظر نگاری ہے:

بیضاوی صبح کا سما ہے ۔۔۔ تفسیرِ کتابِ آسماں ہے
ہے خاتمہ شبِ دل افروز ۔۔۔ دیباچہ نگارِ نسخۂ روز
آثارِ سحر ہوئے نمایاں ۔۔۔ سیپارہ لیے ہوئے ہے دوراں
والیل کو ختم کر چکا ہے ۔۔۔ آمادۂ دورِ والضحیٰ ہے
عنوانِ فلک ہے درِّ منثور ۔۔۔ لوحِ زرّیں سے ہے سورۂ نور
اطرافِ بیاض مطلع صاف ۔۔۔ والفجر کے حاشیہ پہ کشّاف ۱۴

بے ساختہ رعایاتِ لفظی، جاندار تشبیہات واستعارات کا استعمال ان کے کلام کی خوبی ہے۔ مثنوی ''چراغِ کعبہ'' کے آخر میں مناجات کے چند اشعار میں یہی رنگ وآہنگ ہے:

اے پرتوِ مہر لایزالی ۔۔۔ بے مثل مثالِ بے مثالی
شمعِ حرم خدا نمائی ۔۔۔ قندیلِ حریم کبریائی
جس طرح ملا تو اپنے ربّ سے ۔۔۔ انداز سے شوق سے ادب سے
یوں ہی ترے عاصیانِ مہجور ۔۔۔ اک دن ہوں تری لقا سے مسرور
صدقے میں ترے یہ آرزو ہے ۔۔۔ دم میں رہِ آخرت کریں طے
ہو حشر کا دن خوشی کی تمہید ۔۔۔ جس طرح سے صبحِ صادقِ عید
یاں شوق، خلوص و التجا ہو ۔۔۔ واں میں ہوں، آپ ہوں، خدا ہو ۱۵

محسنؔ کاکوروی کے نعتیہ قصائد میں سرِ فہرست وہ لامیہ قصیدہ ہے جس کا عنوان ''مدیحِ خیر المرسلین''ﷺ ہے، جس کا مطلع ہے:

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل ۔۔۔ برق کے کاندھے پہ لائی ہے صبا گنگا جل ۱۶

محسنؔ کا یہ قصیدہ بہت مشہور ہوا۔ اس کی شہرت کی بنا پر ان کے دوسرے نعتیہ قصیدے ''گلدستۂ رحمت''، ''ابیاتِ نعت''، ''نظمِ دل افروز'' اور ''انیسِ آخرت'' اپنی فنّی خوبیوں کے باوصف مشہور نہ ہو سکے۔

لیکن بایں ہمہ رنگ و آہنگ اور منفرد فنّی خصوصیات اس قصیدے کی بہاریہ تشبیب میں ہندوانہ مذہب، رسم و رواج اور ہندوانہ مذہب و تہذیب سے خاص روایات، تقریبات و تلمیحات کی کثرت سے استعمال نے اس نعتیہ قصیدے کی فضا کو ''مناسباتِ کفر'' کے رنگ میں رنگ دیا ہے، جس کی بعض اہلِ علم اور ناقدانِ فن نے سخت گرفت کی ہے، لیکن امیر مینائی اور بعض دیگر ناقدینِ شعر و ادب نے قصیدے کی بہاریہ تشبیب کے آغاز میں ''مناسباتِ کفر'' (ہندوانہ رسم و رواج اور مذہب کی اصطلاحات) کے غیر مشروع استعمال کا دفاع کیا ہے اور سند میں مشہور عربی قصیدہ ''بانتِ سعاد'' کہ جس کی تشبیب بھی مشروع نہیں، کی مثال پیش کی ہے کہ اس قصیدے کو سیّدِ عالم ﷺ کے حضور پڑھا گیا اور رسولِ مجتبیٰ و مصطفیٰ ﷺ نے اپنی زبانِ مبارک سے اس کی تحسین فرمائی۔[۱۷]

عصرِ جدید کی نعتیہ شاعری کی ابتدا جنگِ آزادی(۱۸۵۷ء) سے ہوتی ہے اور قیامِ پاکستان(۱۹۴۷ء) تک اردو شعر و ادب کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کے موضوعات اور لب و لہجہ میں بھی بڑی تبدیلیاں آئیں۔ اسلوبِ بیان میں جدّت طرازی کے ساتھ نعتیہ شاعری بھی تشکیلی دور سے نکل کر ارتقا پذیری کی طرف گامزن ہوئی۔ یہ دور ہندوستان میں قومی و ملّی تحریکوں کا زمانہ ہے۔ اس عرصے میں، جو دیکھا جائے تو تقریباً ایک صدی پر محیط ہے، مسلمانانِ ہند کے جذبۂ جہادِ آزادی اور اس کے لیے چلنے والی قومی تحریکوں نے بھی اردو نعت کے موضوعات اور اسالیب کو متاثر کیا۔ چنانچہ نعت گوئی کے موضوعات میں سیّدِ عالم آقا و مولیٰ رسولِ اکرم ﷺ کے حضور مصائبِ آلام پر انفرادی عرضِ حال، استمداد اور استغاثہ کی بجائے قومی و ملّی آشوب پر اجتماعی استغاثے کی صورتیں سامنے آنا شروع ہوئیں۔

بقول ڈاکٹر ریاض مجید:

''عصرِ جدید کی نعت گوئی کا بڑا دھارا ملّی و قومی موضوعات لیے ہوئے ہے۔ اس میں رسولِ اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے بیان کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ تذکرۂ سیرتِ رسول اللہ ﷺ سے نعت گو شاعروں نے اصلاحِ احوال کا کام لیا اور معجزات اور جمالِ محمدی ﷺ کے بجائے آنحضرت ﷺ کے پیغام اور سیرت کو نعتوں کا موضوع بنایا گیا۔''[۱۸]

امام احمد رضا خاں رضاؔ بریلوی (م ۱۹۲۱ء) اسی دور کے مشاہیر نعت گو شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔

اس دور کے دیگر مشاہیر نعت گو شعرا حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ مولوی الطاف حسین حالیؔ (م ۱۹۱۴ء)

۲۔ مولوی شبلی نعمانی (۱۹۱۴ء)

۳۔ مولوی سیّد علی حیدر نظمؔ طباطبائی (م ۱۹۳۳ء)

۴۔ مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی (م ۱۹۰۸ء)

۵۔ آسیؔ سکندر پوری (م ۱۹۱۶ء)

۶۔ درگا سہائے سرورؔ (م ۱۹۱۰ء)

۷۔ دلّورام کوثریؔ (م ۱۹۳۱ء)

۸۔ مولانا محمد علی جوہرؔ (م ۱۹۳۱ء)

۹۔ مولانا حامد رضا خاں حامدؔ بریلوی (م ۱۹۴۳ء)

۱۰۔ راجہ کشن پرشاد شادؔ حیدر آبادی (م ۱۹۴۰ء)

۱۱۔ مولانا حسرتؔ موہانی (م ۱۹۵۱ء)

۱۲۔ بیدمؔ وارثی (م ۱۹۴۴ء)

۱۳۔ ڈاکٹر سر محمد اقبالؔ (م ۱۹۳۸ء)

۱۴۔ اکبرؔ وارثی میرٹھی (م ۱۹۵۴ء)

۱۵۔ مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوریؔ بریلوی (م ۱۹۸۱ء)

۱۶۔ مولوی ظفرؔ علی خاں (م ۱۹۵۶ء)

۱۷۔ حفیظؔ جالندھری (پ ۱۳۱۷ھ)[۱۹]

"محسنؔ کے بعد امام احمد رضا محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ (م ۱۹۲۱ء) نے اردو کی نعتیہ شاعری میں چار چاند لگا دیے۔ امام احمد رضا خاں محدثِ بریلوی ۱۰ / شوّال المکرّم ۱۲۷۲ھ / ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو

ہندوستان کے شہر بریلی میں پیدا ہوئے اور ۲۵ / صفر المظفر ۱۳۴۰ھ / ۲۸ / اکتوبر ۱۹۲۱ء میں اسی شہر میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ بلاشبہ وہ اپنے دور کے ایک جیّد عالمِ دین، متبحر حکیم، عبقری فقیہہ، صاحبِ نظر صوفی، بے نظیر مفسرِ قرآن، عظیم محدث، سحر بیاں خطیب، صاحبِ طرز قلم نگار، شاعر، ادیب اور تصانیفِ کثیرہ کے مالک تھے۔

ان کے عہد تک اردو شاعری عاشقانِ مجازی کے پیچ و خم میں الجھی رہی اور محرماتِ شرعیہ کی ترغیب و تشویق اس کی انتہائی منزل تھی۔ امام احمد رضا بریلوی کا یہ احسان ہے کہ شعر و شاعری کی اس مکدر فضا کو خواجہ میر درد نے مصفّٰی و مزکّٰی کیا اور عشق و محبت کے سچے جذبات سے اردو شاعری کو روشناس کیا اور بقول شاعر یہ پیش گوئی فرمائی۔

پھولے گا اس زبان میں گلزارِ معرفت یاں میں زمینِ شعر میں یہ تخم بو گیا

اور مولانا احمد رضا اس گلزارِ معرفت میں نسیمِ سحر بن کر آئے۔ اگر وہ نہ آتے تو گلشن پر بہار نہ آتی۔''[۲۰]

اردو کے معروف نقاد ڈاکٹر ریاض مجید، امام احمد رضا کی شخصیت اور نعتیہ شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''(مولانا احمد رضا خاں بریلوی) برصغیر کے معروف عالمِ دین ہیں۔ محسن کاکوروی کے بعد اردو کے دوسرے بڑے نعت گو ہیں، جنہوں نے اپنے شغفِ نعت اور اجتہادی صلاحیت سے اردو نعت کی ترویج و ارتقا میں تاریخ ساز کام کیا۔ اردو نعت کی تاریخ میں اگر کسی فردِ واحد نے شعرائے نعت پر سب سے گہرے اثرات مرتسم کیے ہیں تو وہ بلاشبہ مولانا احمد رضا کی ذات ہے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ خود نعت میں وقیع شاعری کی، بلکہ اپنے ہم مسلک شاعروں، خلفا اور تلامذہ میں نعت گوئی کو ایک تحریک کی شکل دی۔ اردو نعت میں بریلوی مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں شاعروں کے ذوقِ نعت کو جِلا مولانا ہی کی نعت گوئی سے ملی۔

''حدائق بخشش''، مولانا احمد رضا خاں کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔ اس کے مطالعے سے سب سے پہلا تاثر جو قاری کے ذہن پر مرتسم ہوتا ہے، وہ مولانا کے تبحرِ علمی کا ہے۔ مولانا اردو نعت کی تاریخ میں واحد شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے وسیع مطالعے کو پوری طرح اپنے فنِّ نعت میں برتا۔ انہوں نے نعتیہ مضامین کے بیان میں قرآن و حدیث سے لے کر منطق و ریاضی، ہیئت و نجوم، ہندسہ و مابعد الطبیعیات وغیرہ علوم و فنون کی مختلف اصطلاحوں کو نہایت سلیقے سے برتا۔''۲۱

حضرت رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری اور اس میں پنہاں ان کے فکری و علمی پیغامات اور عشقِ رسول ﷺ کو مہمیز لگانے والی حرکی قوت کے مستقبل کی نعت کی تاریخ پر اثرات کے حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر منظر عالم جاوید صدیقی صاحب کا یہ تبصرہ بھی بڑا فکر انگیز ہے۔

''یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ نے اردو نعت کی تاریخ میں عصرِ حاضر کے نعت گوؤں پر سب سے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ انہوں نے اپنے شغفِ نعت اور اجتہادی صلاحیت سے نعت کی ترویج و ارتقا میں عہد ساز کام کیا۔ اپنے وسیع مطالعے کو بھرپور انداز میں فنِّ نعت میں سمویا۔ انہوں نے نعتیہ مضامین کے بیان میں قرآن و حدیث، منطق و ریاضی، ہیئت و نجوم، ہندسہ، مابعد الطبیعیات اور مختلف علمی و فنّی اصطلاحات و حوالہ جات کو نہایت نفاست اور تخلیقی انداز سے اپنی نعت گوئی کا جزو بنایا۔ انہوں نے نعتیہ مضامین کے اظہار میں مختلف علوم و فنون کے بیان سے نہ صرف اپنی نعت گوئی کو وقیع بنایا ہے، بلکہ اردو نعت کے علمی و فکری دائرے کو بھی وسعت دی ہے۔''۲۲

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی اپنے مقالۂ ڈاکٹریٹ ''اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی'' میں امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری کے مضامین و موضوعات پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''سید محمد محسن کاکوروی نے بلا شبہ نعت کو فن و ادب کے مقام پر پہنچا کر اسے ایک اعلیٰ شاعری کا درجہ دیا۔ یہ فن پہلی بار انہی کے ہاں تکمیل آشنا ہوتا ہوا نظر آیا؛ لیکن امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے نعت کی نئی سمتوں اور جہتوں سے آشنا کیا۔ اسے علمی اور شرعی وقار کا بھی حامل بنایا۔ مضامین و موضوعات کی وسعت، تکنیک سازی، ساختیاتی و لسانی تجربے کے اعتبار سے یہ محسنؔ سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔

محسنؔ کی زبان بے شک دیرپا اور حسین ہے، لیکن رضاؔ کے یہاں ایسی بھی غزلیں ہیں جن پر جدید شاعری کا گمان ہوتا ہے۔ رضاؔ کا انداز نرالا ہے۔ لگتا ہے الفاظ نگینوں کی مانند انگشتریِ شعر میں خیال و جذبہ کے ساتھ خود بخود فٹ ہوتے چلے گئے ہیں۔ ان کا کلام بالکل وہبی اور الہامی معلوم ہوتا ہے۔ معنیٰ آفرینی سے پر سادگی کا نمونہ ہے۔

محسنؔ کا کلام اس قدر اپیلنگ (Appealing) اور اثر آفریں نہیں ہے جس قدر رضاؔ کا کلام ہے۔ محسنؔ کے یہاں خارجیت کا غلبہ ہے مگر رضاؔ کے ہاں داخلیت کا۔'' ۲۳؎

علامہ سیّد آلِ رسول حسنین میاں نظمیؔ مارہروی فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت نے شاعری کی سب سے مشکل صنف یعنی نعت کو مشقِ سخن کے لیے منتخب کیا۔ انگریزی ادب میں لارڈ ٹینی سن، فارسی میں سعدیؔ و شیرازی اور اردو میں جوشؔ کے ذخیرۂ الفاظ کی بڑی دھوم ہے۔ ذرا حدائقِ بخشش کے اوراق الٹیے، زبان وبیان کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں جس رنگ وآہنگ کو پیش کیا ہے وہ دوسروں کے نصیب میں اس لیے نہیں کہ دوسرے یا تو معشوق کی زلفوں کے خم میں پھنسے رہ گئے یا غلو و مبالغہ کے دلدل میں دھنس گئے۔ اعلیٰ حضرت نے جو کچھ لکھا قرآنِ مقدس اور حدیثِ حمید کی روشنی میں لکھا، خود فرماتے ہیں۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ　　بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی　　یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

امام احمد رضا کے تبحرِ علمی اور وسعتِ فکری کے سامنے شعر گوئی کوئی حیثیت نہیں رکھتی؛ لیکن آپ نے شاعری برائے شاعری نہیں کی بلکہ اسے اپنے اظہارِ مسلک کا ذریعہ بنایا اور اپنے کلامِ بلاغت نظام سے اردو شاعری کے دامن میں صالح شعر وادب کے وہ موتی بکھیرے جس کی مثال پوری دنیائے شاعری میں بہت کم ملے گی، ان کی نعت کا یہ مقطع تعلّی نہیں، بلکہ حقیقت کا بیان ہے۔

یہی کہتی ہے بلبلِ باغ جناں کہ رضاؔ کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ، مجھے شوخیِ طبع رضاؔ کی قسم ۲۴؎

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ امام احمد رضا کے نعتیہ کلام نے اپنے اور بعد کے آنے والے دور میں جس میں عصرِ جدید بھی شامل ہے اور جسے ۱۹۴۷ء کے بعد کا دور کہا جاتا ہے، شعر و ادب کے سرمایہ، شریعت وطریقت کے معمولات اور مسلم تہذیب وتمدن پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ تحریکِ آزادیِ ہند بالخصوص تحریکِ پاکستان جو عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے سرشار ہو کر اور نظامِ اسلام کے نفاذ کے لیے چلائی گئی اس پر امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی فکر اور ان کے متوسلین علما، ادبا، شعرا، دانشورانِ ملّت کی مساعیِ جلیلہ کی گہری چھاپ ہے۔ اس لیے ان کا منثور و منظوم کلام ہماری قومی، تہذیبی اور ادبی وراثت کا حصہ ہیں۔ بقول ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی:

"جذبہ و فن، مضامین و موضوعات کی وسعت اور مختلف ادبی و علمی اوصاف کے اعتبار سے اردو نعت گوئی کی تاریخ میں امام احمد رضا کا مقام سب سے زیادہ بلند وبالا ہے اور اگر کیفیت کے اعتبار سے ان کی نعت گوئی پر کوئی شاعری اترتی ہے تو (وہ) صرف سیّد محسن کاکوروی کی نعتیہ شاعری ہے۔ امام رضؔا خاں فاضلِ بریلوی نے اردو شاعری کو ایک نئی راہ دکھائی ہے۔ تقدیس، جذبہ اور طہارتِ لفظی کی راہ! نعت کی ترویج واشاعت میں امام احمد رضؔا بریلوی کا حصّہ سب سے زیادہ ہے۔ ان کے زیرِ اثر نعت کے ایک منفرد دبستان کی تشکیل ہوئی ہے۔" ۲۵

بقول ڈاکٹر انور سدید:

"حضرت رضؔا بریلوی نے نعت کے شجرِ سایہ دار کو پاکستان (بنگلہ دیش) اور ہندوستان کی مٹی میں اگانے کی کوشش کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی نعت ہندوستان و پاکستان کے لوگوں میں زیادہ مقبول اور ان کے دلوں سے زیادہ قریب ہے۔ اس نعت نے گم کردہ راہ مسافروں کو وحدت اور نبوّت میں یقین پختہ کرنے میں بڑی معاونت کی ہے۔" ۲۶

عصرِ جدید کے دور کے آخر میں کچھ شاعر ایسے بھی سامنے آئے جنھوں نے قیامِ پاکستان کے بعد کی ادبی و شعری فضا بالخصوص نعت کو بہت متاثر کیا۔ ان میں درجِ ذیل نعت گو شعرا قابلِ ذکر حیثیت رکھتے ہیں: سہیؔل اعظم گڑھی، امجؔد حیدر آبادی، عزؔیز لکھنوی، حمیؔد صدیقی، ماہؔر القادری، مولانا ضیاء القادری

بدایونی، حافظ مظہر الدین، حافظ لدھیانوی، راسخ عرفانی، اعظم چشتی، عاصی کرنالی، عزیز حاصل پوری، قمر یزدانی، بہزاد لکھنوی، شمس مینائی، درد کاکوروی، شمس بریلوی، افق کاظمی امروہوی، اثر صہبائی، اسد ملتانی، اختر الحامدی، انور صابری، کوثر جائسی، کوثر امجدی، ادیب رائے پوری، قتیل داناپوری، حق بنارسی، شمیم جے پوری، عثمان عارف، طیش صدیقی، عمر انصاری، حیات وارثی، قیصر وارثی لکھنوی، والی آسی، تسنیم فاروقی، اسلم بستوی، نسیم بستوی، قمر سلیمانی، رازالہٰ آبادی، بیکل اُتساہی، کوثر نیازی، عبدالعزیز خالد، خالد نقشبندی، فنا نظامی کانپوری، شفیق جونپوری، سرور انبالوی، مولانا ریحان رضا خاں ریحان بریلوی، مولانا اختر رضا خاں اختر بریلوی، معراج فیض آبادی، صابر براری، حفیظ جالندھری، حفیظ تائب، انور جلال پوری، وسیم بریلوی، اقبال عظیم، مظفر وارثی، طارق سلطانپوری، ابوالحسن واحد رضوی، راجہ رشید محمود، احسان دانش، محشر رسول نگری، راغب مرادآبادی، محمد علی ظہوری، تابش قصوری، عارف محمود، مہجور رضوی، خواجہ غلام فخر الدین سیالوی، رحمان کیانی، ارم حسانی، نصیر الدین نصیر گولڑوی، نظمی مارہروی، درد اسعدی، اعجاز رحمانی، سرور اکبر آبادی، منیر الحق کعبی بہل پوری، ندیم احمد ندیم قاسمی۔

پاکستان میں فروغِ نعت کے حوالے سے سن ۱۹۵۰ء اور سن ۱۹۷۰ء کی دہائیاں بہت اہم ہیں۔ اس دور میں بڑے سیاسی انقلابات آئے اور معاشرتی تبدیلیاں ہوئیں۔ قادیانیت کے خلاف (خلیفۂ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں) علامہ ابوالحسنات سیّد محمد قادری علیہا الرحمۃ کی قیادت میں تحفظِ ناموس وعقیدۂ ختمِ نبوّت کی تحریکیں چلیں۔ ہندوستان سے دو جنگیں لڑی گئیں، پھر قائدِ اہلِ سنّت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی علیہ الرحمۃ کی سربراہی میں تحریکِ نفاذِ نظامِ مصطفیٰ ﷺ چلی، ملّی نغمے لکھے گئے، معروف شعراءِ کرام نے نعتیہ قصائد، غزلیں اور بزرگانِ کرام بالخصوص سیّدنا علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا صاحب علیہ الرحمۃ، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضاؔ بریلوی (۱۸۵۶ء۔ ۱۹۲۱ء) اور دیگر بزرگانِ کرام کی شان میں منقبتیں لکھیں، جو عام جلسوں میں پڑھی جانے لگیں۔ غرض کہ جذبۂ حبِّ رسول ﷺ اور اس کے ضمن میں حبِّ وطن کے جذبے کو ہر طرح سے ابھارا گیا۔ اسی دوران برِّ صغیر پاک و ہند کے اہلِ سنّت سے تعلق رکھنے والے اہلِ درد علما، اسکالرز، دانشوروں اور اہلِ علم و قلم نے امام احمد رضا فاضلِ

بریلوی علیہ الرحمۃ کے غیر مطبوعہ فتاویٰ اور نایاب و مخطوط تصانیف کی اشاعت کی مہم چلائی۔ اس کے سربراہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے صاحبزادۂ اصغر مفتیِ اعظم حضرت علامہ مولانا مفتی مصطفیٰ رضا خاں تھے اور ان کے تلامذۂ تلامذہ، اساتذہ و اراکینِ مصباح العلوم جامعہ اشرفیہ مبارکپور (اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا) نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ ادھر پاکستان میں حضرت حکیم موسیٰ امر تسری مرحوم نے مولانا عارف ضیائی صاحب، مفتی عبدالقیّوم ہزاروی علیہ الرحمۃ، علامہ عبدالحکیم شرف قادری(م۲۰۰۸ء)، مولانا عبدالنّبی کوکب علیہم الرحمۃ اور دیگر مخلصین احباب کے ساتھ مل کر مرکزی مجلسِ رضا (مؤسسہ ۱۹۶۸ء) کی بنیاد ڈالی اور امام احمد رضا فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور علمی کارناموں کو اجاگر کرنے کے لیے علما کے علاوہ جدید تعلیم یافتہ طبقوں کے نمائندہ اسکالرز سے مقالات لکھوائے گئے اور ۲۵/ صفر امام احمد رضا کے یومِ وصال کو یومِ رضا کے طور پر منانے کا اہتمام کیا جانے لگا۔ اس موقع پر ہر سال سیمینار کا اہتمام ہوتا، جن میں جامعات اور کالجوں کے اساتذہ، علما اور دانشور حضرات مقالات پڑھتے اور پھر یہ مقالات کتابی صورت میں شائع ہوتے۔ حکیم موسیٰ مرحوم اور علامہ اختر شاہجہاں پوری علیہما الرحمۃ کی ترغیب و تشویق پر پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مظہری نقشبندی صاحب [افسوس کہ دنیائے اہلِ سنّت کا یہ عظیم محقّق، رضویات کا ماہر ۲۸/ اپریل ۲۰۰۸ء کو کراچی میں انتقال فرما گیا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ(وجاہت)] امام احمد رضا کی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر اَسّی اور نوّے کی دہائی تک امام احمد رضا کے حوالے سے پروفیسر صاحب کے لکھے ہوئے تحقیقی مقالات مثلاً ”فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات“، ”حیاتِ مولانا احمد رضا خاں بریلوی“، ”فاضلِ بریلوی علماءِ حجاز کی نظر میں“، ”گناہِ بے گناہی“، ”عبقریِ شرق“ وغیرہم نے جدید علمی، تحقیقی و ادبی حلقوں کو حیرت زدہ کر دیا۔ اہلِ علم و قلم امام احمد رضا کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ اسی دوران کراچی میں ۱۹۸۰ء کے اواخر میں حضرت مولانا سید ریاست علی قادری علیہ الرحمۃ (م۱۹۹۲ء) کی سربراہی اور قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب اور علامہ شمس بریلوی مرحوم اور علامہ مفتی تقدس علی خاں علیہ الرحمۃ(م۱۹۸۷ء) کی سرپرستی میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کا قیام عمل میں آیا، جس کا راقم بھی ایک بنیادی رکن ہے۔ پھر تو گویا دبستاں کھل گیا!

امام احمد رضا پر تحقیقات کے دروازے واہو گئے۔ ملکی اور غیر ملکی سطح پر ایم۔فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالات لکھے جانے لگے۔ بحمد اللہ اب تک ۳۰؍ ملکی اور غیر ملکی اسکالرز پی۔ایچ۔ڈی کی اسناد حاصل کر چکے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمۃ اور ادارۂ ہٰذا کی کاوشوں کی بدولت پشاور سے چٹا گانگ اور وہاں سے لے کر جامعہ ازہر کے ایوانِ علم ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' کی گونج سے گونجنے لگے۔ اب حال یہ ہے ''گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں''!۔ اس پس منظر میں ''دبستانِ رضا'' سے حبِّ رسول ﷺ کی خوشبوئیں چہار طرف پھیلنے لگیں، کلامِ رضا سے اٹھنے والی حبِّ رسول ﷺ کی خوشبو کے بھبھوکوں نے ''بلبلانِ باغِ مدینہ'' کو مست کر دیا۔

حضرتِ رضا بریلوی نے نعتِ رسولِ مقبول ﷺ اور منقبتِ صحابہ و اولیا کو اپنا موضوعِ سخن بنایا اور ہر صنفِ سخن، مثلاً غزل، قصیدہ، رباعی، مثنوی وغیرہ میں طبع آزمائی کی، یوں تو ان کا ہر شعر حسنِ صوری و معنوی کا مظہر ہے، لیکن قصائد میں انہوں نے فنِّ شاعری کی جس کمال اور استاذانہ مہارت کا مظاہرہ کیا ہے وہ اردو کے غزل گو اساتذۂ کلام میں خال خال نظر آتا ہے۔

آپ کے نعتیہ دیوان ''حدائقِ بخشش''(حصّۂ اوّل و دوم) اور ''باقیاتِ رضا'' (موسوم بہ حصّۂ سوم) میں مجموعی طور پر بارہ قصائد ہیں، ایک حصّۂ اوّل میں، تین حصّۂ دوم میں اور آٹھ حصّۂ سوم میں ہیں (ان میں سے دو نامکمل ہیں)۔ ان میں مشہور و معروف قصائد چار ہیں:

(۱) قصیدۂ نوریہ (۲) قصدۂ درودیہ، (۳) قصیدۂ سلامیہ اور (۴) قصیدۂ معراجیہ؛ لیکن ان سب میں فنّی اعتبار سے سب سے زیادہ حیرت انگیز باقیاتِ رضا (حصّۂ سوم) ۱۵۰؍ اشعار پر مشتمل وہ نعتیہ قصیدہ ہے جس میں علم ہئیت اور نجوم کی اصطلاحات بطورِ صنعت استعمال کی گئی ہیں، اور یہ قصیدہ بقول نظیر لدھیانوی اردو ادب میں بے نظیر ہے۔۲۷

اس فنّ میں متقدمین شعرا میں انوری، سانوجی، ظہیر فاریانی، فاقانی اور بدر چاچی نے غزلیہ قصائد (فارسی) میں فلکیات کے مضامین اور علمِ ہیئت کی مصطلحات استعمال کی ہیں۔ دورِ جدید میں کراچی کے شاعر سراج الدین ظفرؔ (مرحوم) نے اپنی غزلوں میں ایسی مصطلحات کو گاہے بگاہے استعمال کیا ہے؛

لیکن حضرت رضا نے بقول علامہ شمس بریلوی مرحوم ''اس قصیدۂ نعتیہ میں مدحتِ حاضر یعنی نعتِ سرورِ کونین ﷺ میں جو ۸۸/ اشعار کہے ہیں اور علمِ ہئیت کی اصطلاح کے بیان کا جو التزام مطلع میں رکھا ہے وہ آخر تک ترک نہیں کیا، جبکہ بدر چاچی نے محمد شاہ تغلق کی شان میں جو قصیدہ لکھا اس میں صرف تشبیب تک علمِ ہئیت کا التزام ہے مدحِ حاضر میں وہ اس کو ترک کر دیتا ہے۔ نعت میں اس التزام کے ساتھ قصیدہ پیش کرنا در حقیقت فکرِ رضا کا کمال ہے کہ یہ قدم پر قدغن ہے، شریعت کے حدود سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا۔''۲۸؎

گذشتہ سطور میں جن دیگر چار قصائد کا ذکر کیا گیا ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان قصائد کے ذریعے حضرت رضا نے پہلی بار نعتیہ ادب میں تشبیب کے مضامین میں وہ وسعت و معنویت پیدا کی ہے جس کی اس سے قبل کے نعتیہ لٹریچر (اردو، فارسی، عربی) میں بڑی مشکل سے نظیر ملے گی بلکہ بعض جہتوں سے آپ نے تشبیہ، استعارہ، کنایہ تشبیب، ردی و قوافی کا نئے انداز سے جو التزام و اہتمام اور استعمال کیا ہے وہ آپ کی اپنی ایجادات اوّلیات ہیں: علامہ شمس بریلوی جو خود ایک مایہ ناز ادیب، شاعر اور اردو، فارسی و عربی زبان کے ماہر اور دبستانِ رضا کے ایک گلِ سر سبد تھے، ان کا ''قصیدۂ سلامیہ'' پر ایک تبصرہ ملاحظہ ہو:

''حضرت رضا بریلوی قدس سرہ کا وہ سلامِ محبت آگیں جس کا مطلع ہے:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام　　　شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

ہر اس مسلمان کے دل کی آرزو ہے جس کا دل محبّتِ سرکارِ دو عالم ﷺ سے معمور ہے۔ اس سلام میں عجیب والہانہ جذبات اور وارفتگی کا عالم نظر آتا ہے۔ ان اشعار میں سراپائے قدس سے جو پارہ ہائے نور یعنی اعضاءِ پاک، خامۂ رضا نے منتخب کیے ہیں ان کی کما حقہٗ تعریف نظم تو نظم، نثر میں بھی دشوار ہے''۔۲۹؎

مولانا کوثر نیازی جو ملک کی ایک سیاسی شخصیت ہی نہیں تھے، بلکہ وہ ایک نہایت بلند پایہ ادیب، شاعر، وسیع المطالعہ اور بین الاقوامی سطح کے عالم تھے جنہیں اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں پر عبور حاصل تھا وہ قصیدۂ سلامیہ کے متعلق اپنے مطالعے کا نچوڑ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"اردو، عربی، فارسی تینوں زبانوں اور تمام زبانوں کا نعتیہ کلام میں نے دیکھا ہے اور بالاستیعاب دیکھا ہے، میں بلاخوفِ تردید کہتا ہوں کہ تمام زبانوں اور تمام زمانوں کا نعتیہ کلام ایک طرف اور شاہ احمد رضا کا سلام:

"مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام"

ایک طرف۔ دونوں کو ایک ترازو میں رکھا جائے تو احمد رضا کے سلام کا پلڑا پھر بھی جھکا رہے گا۔ میں اگر یہ کہوں کہ یہ سلام اردو زبان کا قصیدۂ بردہ ہے تو اس میں ذرّہ بھر بھی مبالغہ نہ ہوگا۔"۳۰

آگے مزید تحریر کرتے ہیں:

"مجھے افسوس ہے کہ اہلِ قلم نے اس جانب توجہ نہیں دی۔ ورنہ اس کے ایک ایک شعر کی تشریح میں کئی کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔"۳۱

جنابِ طارق سلطانپوری نے "سلامِ رضا" کے مطالعے کے بعد ۱۴/ اشعار پر مشتمل ایک منظوم تاثر تحریر کیا ہے، جس میں انہوں نے سلامِ رضا کی ان تمام خوبیوں کا ذکر کیا جو اربابِ علم و فضل نے مختلف ادوار و اوقات میں بیان کیے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ "سلامِ رضا" کے رنگ اور آہنگ، تراکیب و تشبیہات، صنائع بدائع، کیف و کم، تجمّل و محاسن، قرآنی معارف، ایمانی حقائق، شعری حسن، موسیقیت و ترنم سے اس قدر متاثر ہوئے کہ طاؔرق صاحب سلامِ رضا کے ۱۷۲/ اشعار پر اب تک دو تضمینیں نظم کر چکے ہیں جبکہ ایک تضمین منتخب اشعار پر ہے۔

"قصیدۂ سلامیہ" کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ نعتیہ ادب میں اب تک کسی قصیدے پر اتنی تضمینیں نہیں لکھی گئی ہیں، جتنی قصیدۂ سلامیہ کی۔ زیادہ تر شعرا نے اس کے بعض اشعار پر تضمینیں قلم بند کی ہیں، لیکن صرف چند ہی نے سلام کے تمام اشعار پر مکمل تضمینیں لکھی ہیں، ان میں معروف، اسم گرامی یہ ہیں: مولانا سیّد مرغوب احمد اخترؔ الحامدی، سید محفوظ علی صابرؔ القادری بریلوی، عبد الغنی سالکؔ، حافظ عبد الغفار، حافظؔ سعید، مولانا پروفیسر ریاض احمد القادری بدایونی، مولانا عبد الکریم قادری مبہلیم عطاری (سندھی زبان میں)، بشیر حسین ناظمؔ (م ۲۰۱۲ء) (ناظم مرحوم "سلامِ رضا" پر تضمین لکھتے وقت

سلامِ رضا کے بعض مصرعوں میں اپنی طرف سے حذف و اضافہ کیا ہے، جس پر بعض اربابِ علم و فضل اور احبابِ شعر و ادب نے ان پر تنقید کی اور ان کے بعض تضمین شدہ اشعار پر بھی اعتراضات کیے۔)، مولانا صاحبزادہ ابوالحسن رضوی (ایڈیٹر ماہنامہ ریاض العلم، اٹک)، طیش صدیقی کانپوری، مولانا عبدالجبار رہبر اعظمی، محمد عثمان اوج چریا کوٹی۔ جن حضرات نے منتخب اشعار پر تضمینیں کہی ہیں ان میں معروف یہ ہیں: سید اشرف ہلال جعفری، عزیز حاصل پوری، سید حبیب احمد نقشبندی، محمد عثمان عارف نقشبندی (سابق گورنر اترپردیش)، رفیق احمد کلام رضوی، مولانا محمد اسلم بستوی، علامہ مفتی اختر رضا الازہری اختر بریلوی، مولانا بدر القادری مصباحی، مولانا عبدالسلام شفیق پروفیسر فیاض احمد کاوش، صابر براری، ریاض الدین ریاض سہروردی، غلام مصطفیٰ مجددی (پنجابی زبان میں)، صدیق زاہد محسن مظہری، راجا رشید محمود، علامہ قاضی عبدالدائم دائم نقشبندی، پیر سید نصیر الدین نصیر گولڑوی، رشید وارثی، حافظ چشتی تونسوی، اجمل جنڈالوی، علامہ ضیاء القادری بدایونی وغیرہم۔ غرضکہ ان تمام شعراءِ کرام میں جناب طارق سلطانپوری (حسن ابدال، پاکستان)، واحد شاعر ہیں، جنہوں نے قصیدۂ سلامیہ پر تین تضمینیں کہی ہیں: دو مکمل اور ایک منتخب اشعار پر۔ سلامِ رضا پر ان کا منظوم تاثر ملاحظہ ہو۔ اربابِ علم و فضل اور صاحبانِ سخن فہم نے سلامِ رضا کے جتنے محاسن علیحدہ علیحدہ بیان کیے ہیں طارق سلطانپوری صاحب نے اپنے اس منظوم تبصرے میں تقریباً سب کا احاطہ کیا ہے:

سلامِ رضا پر منظوم تبصرۂ طارق سلطانپوری

منفرد دنیائے فکر وشعر میں ہے مرحبا — حضرتِ احمد رضا خاں کا سلامِ دلربا
اس میں قرآنی معارف ضوفگن ہیں جابہ جا — اس میں ایمانی حقائق کی ہے تنویر و ضیا
اس کے اوصاف ومحاسن کا کرے گا ذکر کیا — کوئی کیا لکھے گا اس کی خوبیوں کا ماجرا
یہ قصیدہ بردہ ہے اردو زباں کا واقعی — تبصرہ ہے یہ کئی اربابِ علم وفضل کا
ربِّ معطی کی ہے بیشک یہ خصوصی موہبت — یہ حقیقت میں ہے انعامِ خدائے مصطفیٰ(ﷺ)
اس کی ترکیبیں نگینے، اس کے الفاظ آئینے — اس کے مصرعے، اس کے اشعار ہیں جواہرِ بے بہا
دیدہ ور اک عاشقِ صادق نے باصد احترام — خوب کھینچا نقشۂ حسنِ محمد مصطفیٰ(ﷺ)

خدمتِ اولاد واصحابِ شہِ لولاک میں — باادب اس نے کیے ہیں پیش گلہائے ولا
اولیا واصفیا، شرع وطریقت کے امام — ان پہ بھی بھیجا سلام اس نے بہ طرزِدل کشا
یہ سلام اردو ادب کا بالیقیں ہے فخروناز — بے مثال اس کا تجمّل لا جواب اس کا عُلا
اس کا گرویدہ ہے، جو ہے صاحبِ ذوقِ سخن — اس کا ہے مشتاق ہر حق کیش وعرفاں آشنا
کیفیت انداز اس سے آج بھی ہر بزمِ شوق — آج بھی ہے فیضیاب ہر مجلسِ اہلِ وفا
کچھ بھی ہو، اس کی جہاں گیری کبھی ہوگی نہ کم — آج بھی مقبول ہے کل جس طرح مقبول تھا

ایک حیرت زارہے طارؔق زمانے کے لیے
وسعتِ فکرِ رضا و اوجِ فیضانِ رضا

حضرت علامہ مفتی محمد خان قادری صاحب نے راقم کی درخواست پر جس میں ماہرِ رضویات، مسعودِ ملّت پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب علیہ الرحمۃ کی بھی مشاورت شامل تھی، سلامِ رضا کی شرح لکھی، جو تقریباً ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس شرح کا بنگالی زبان میں ترجمہ بھی ہو گیا ہے (یہ اطلاع ریسرچ اسکالر مولانا نظام الدین، چٹاگانگ، بنگلہ دیش، نے ٹیلیفون پر دی)۔ سلامِ رضا کا انگریزی، ہندی بنگالی اور عربی زبانوں میں منظوم ترجمہ ہو چکا ہے۔ انگریزی میں پہلا ترجمہ جناب پروفیسر غیاث الدین قریشی مرحوم (یو۔کے، مانچسٹر یونیورسٹی) نے کیا۔ دوسرا ترجمہ جناب بشیر ناظم مرحوم (اسلام آباد) نے کیا، ہندی ترجمے کے مترجم کا علم نہیں، بنگالی ترجمہ مدرسۂ احمدیہ سنیّہ، چٹاگانگ، کے مدرّس شاعرِ اہلِ سنّت، جناب مولانا انیس الزمان صاحب نے کیا ہے۔ منظوم عربی ترجمہ ''المنظومۃ السلامیہ فی مدح خیر البریہ'' کے نام سے جامعہ ازھر شریف (قاہرہ) کے استاذ جناب ڈاکٹر حسین مجیب مصری مرحوم (م ۲۰۰۱ء) نے کیا؛ جبکہ جناب ڈاکٹر حازم محمد احمد محفوظ، پروفیسر شعبۂ اردو جامعہ ازھر شریف نے ان کے ساتھ ترجمہ و تشریح میں معاونت کی ڈاکٹر مجیب مصری مرحوم نے عربی ترجمے کے شروع میں ۱۰۰ صفحات کا ایک بسیط مقدمہ بھی تحریر کیا، جس میں اعلیٰ حضرت کی حیات و خدمات کے ذکر کے علاوہ ''قصیدۂ سلامیہ'' کا شعراءِ عرب کے نعتیہ قصائد سے ایک تقابلی جائزہ بھی ہے۔

قصیدۂ سلامیہ کی خوبیوں کے ذکر کی اس طویل تمہید سے بتانا یہ مقصود ہے کہ حضرت رضا بریلوی کے دور اور ان کے بعد سے آج تک شعراءِ کرام پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ بعض شعرا نے سلامِ رضا کی ردیف و قوافی پر سلام لکھے۔ ان کی نعتوں کی بعض زمین اور مصرعہ طرح پر نعتیں کہی گئیں۔ حتّٰی کہ دیگر زبانوں کے شعرا و سخن ور بھی اس سے متاثر ہوئے اور ہندی، بنگالی، انگریزی زبانوں کے شعرا نے قصیدۂ سلامیہ کے مضامین کو اپنے اشعار میں باندھا۔ نوجوان فاضل اسکالر اور ایجو کیشنسٹ ڈاکٹر سلیم اللہ جندران صاحب نے جو امام احمد رضا کے نظریۂ تعلیم کے زبردست مؤیّد اور مبلّغ ہیں، آپ کی نعتوں اور قصائد سے متاثر ہو کر انگریزی میں نعتیں اور سلام لکھے ہیں۔ انہوں نے قصیدۂ سلامیہ اور قصیدۂ درودیہ کے انداز پر ایک نعت کہی ہے، جس کا پہلا اسٹینزا (قطعہ) ملاحظہ ہو:

Today in the state of hustle and bustle;
If you are dismal or stuck with puzzle;
Send down durood upon Muhammad
Sallallah -o- Alaih-i-Wasallam
Send down salam upon Muhammad
Sallallah-o-Alaih-i-Wasallam;
It will end your tenson and despair;
It will remove your worry and wear.

درجِ بالا ان اشعار میں ڈاکٹر سلیم اللہ جندران صاحب حضرت رضؔا بریلوی کی لے سے لے ملاتے ہوئے "لاکھوں سلام" اور "کروڑوں درود" پڑھنے ہی کی تو ترغیب و تشویق دے رہے ہیں!

رضؔا بریلوی کے قصیدۂ نوریہ جس کا ایک مصرعہ "مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا" محافلِ نعت و میلاد میں جھوم جھوم کر پڑھا جانے لگا۔ فروغِ نعت کو مہمیز ملی، شعراءِ کرام طرز و اندازِ رضؔا میں نعتیں کہنے اور پڑھنے لگے۔ ایک زمانہ تھا کہ حضرت رضؔا بریلوی نے آج سے تقریباً سوا سو سال قبل سلطانِ نعت گویاں شہیدِ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء علامہ مولانا مفتی کفایت علی کاؔفی علیہ الرحمۃ کے "سوزِ دروں" کے حصول کے لیے یوں اظہارِ تمنّا کیا تھا۔

پرواز میں جب مدحتِ شہ میں آؤں — تا عرش پروازِ فکرِ رسا میں جاؤں
مضمون کی بندش تو میسر ہے رضؔا — کاؔفی کا دردِ دل کہاں سے لاؤں؟

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے جذبۂ عشقِ رسول ﷺ کے صدقے ان کو خوب نوازا، ان کے قلبِ مجلّٰی و مصفّٰی پر علم و عرفان اور معرفت و حکمت کی وہ موسلا دھار بارش ہوئی کہ ان کے قلم سے نکلی ہوئی ہر سطر اور زبان سے نکلا ہوا ہر شعر خلقِ خدا کی زبان بن گیا، اہلِ علم و معرفت نے انہیں "صاحبِ امروز"، "اعلیٰ حضرت"، "امام وقت"، "مجددِ عصر" کہا اور ان کا کلام "کلام الامام امام الکلام" کی سند حاصل کر گیا۔ "دبستانِ رضا" کے غنچے چٹکنے لگے، بلبلیں چہکنے لگیں، خالدؔ نقشبندی نے دعا کی۔

دردِ جامی ملے نعت خالدؔ لکھوں　　اور اندازِ احمد رضا چاہیے

تابشؔ قصوری یوں مدحت سرا ہوئے۔

یا الٰہی حشر تک سنتا رہوں　　نعتِ حضرت(ﷺ)، مدحتِ احمد رضا

عزیزؔ حاصل پوری نئے انداز سے نغمہ سرا ہوئے۔

ہر طرف نہریں ہیں جاری آپ کے فیضان کی　　قلزمِ عرفان وحکمت حضرتِ احمد رضا

آپ ٹھہرے اِک امامِ نعت گویانِ رسول ﷺ　　میر بزمِ فنّ مدحت حضرتِ احمد رضا

"دبستانِ رضا" کے ایک گوشے سے محمد علی ظہوری کی یہ فردوس گوش آواز کانوں میں رس گھولنے لگی۔

مجھے بھی اقتدا حاصل ہے ان کی نعت گوئی میں　　ظہوریؔ در حقیقت وہ امامِ نعت گویاں ہیں

خم خانۂ رضاؔ کے کیف و کم چشیدہ آرؔم حسانی مست و بے خود ہو کر یوں لب کشا ہوئے۔

بقا ہے اس کی نعتوں کو ابھی ہے دم قدم اس کا　　خُمِ نعتِ نبی سے ہے عبارت کیف و کم اس کا

حافظ مظہر الدین حافظؔ دبستانِ رضا سے وابستہ دورِ جدید کے نعت گو شعرا میں ایک مستند و معتبر نام ہے۔ وہ حدائقِ بخشش کے گل چیں بھی ہیں اور سیاح بھی رضاؔ بریلوی کا طرز، اسلوب، علمی انداز، کیف و تاثر ان کے اشعار سے جابہ جا جھلکتا ہے۔ رضاؔ بریلوی کی طرح ان کی نعتوں میں حبِّ رسول ﷺ اور مدحِ جمالِ رسول ﷺ کے ساتھ پیغام و ارشاداتِ رسول ﷺ کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ ان کے اشعار جدّت طرازی اور نکتہ آفرینی کے مظہر ہیں۔ ایک شعر ملاحظہ ہو، اعلیٰ حضرت کے برادرِ اصغر حسنؔ بریلوی کا رنگ نمایاں ہے۔

اللہ کو مرغوب ہیں کیا تیری ادائیں   "قل" کہہ کے سنی بات بھی اپنی تِرے لب سے ۳۲

حسن بریلوی کا اسی مضمون میں شعر ہے۔

"قل" کہہ کر اپنی بات بھی لب سے تِرے سنی   اللہ کو ہے اتنی تِری گفتگو پسند ۳۳

طارق سلطان پوری کا دورِ جدید کے نعت گو اور تاریخ گو شعرا میں ایک معتبر و مستند نام ہے، فرماتے ہیں کہ "حدائق بخشش کے مطالعے سے جو کیف و سرور، قلبی انشراح و روحانی انبساط حاصل ہوا اور نعت کا جو فہم و ادراک نصیب ہوا وہ پہلے میسر نہ تھا۔

یہ سب حدائقِ بخشش کا فیض ہے طارق   حبیبِ پاک(ﷺ) کے مدحت نگار ہم بھی ہیں ۳۴

ایک اور جگہ امام احمد رضا کو خراجِ تحسین پیش فرماتے ہوئے جدید نعتیہ شاعری اور مستقبل کے نعت گو شعرا پر ان کی نعت نگاری کے اثرات کے حوالے سے ایک خوبصورت منظوم تبصرہ کرتے ہیں۔

آج بھی روشن ہیں جو روشن کیے اس نے چراغ   کار فرما آج بھی ہے جابہ جا احمد رضا

ہر زمانے میں سنائی دے گی اس کی بازگشت   جو بلند آواز مدحت کر گیا احمد رضا

عصرِ حاضر دور ہے اس عاشقِ سرکار کا   آج ہر سو ہے صدا، احمد رضا احمد رضا ۳۵

حضرت راغب مراد آبادی مرحوم (راغب صاحب کا اصل نام سید اصغر حسین تھا) اردو شعر و ادب کی ایک معتبر و مستند شخصیت ہیں۔ وہ نعتیہ شاعری میں دبستانِ رضا کے نقیب سمجھے جاتے ہیں، جن دنوں اہلِ سنّت کے مرکزی دارالعلوم "دارالعلوم امجدیہ"، عالمگیر روڈ، کراچی میں عرسِ رضوی پر ایک نعتیہ مشاعرہ بھی ہوا کرتا تھا، اس میں راغب مراد آبادی نہ صرف شریک ہوتے تھے، بلکہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی نعت کے مصرعۂ طرح پر نعتیں بھی کہتے تھے اور ان کی منقبت بھی پڑھتے تھے۔ ان کی ایک نعت کے تین شعر ملاحظہ ہوں:

ثنائے سرورِ دیں کیوں نہ ہو شعار مِرا   کہ ہے انھیں کی غلامی میں افتخار مِرا

گلے میں طوقِ غلامی ہے آپ کا سرکار   بڑھا ہے اس سے زمانے میں اعتبار مِرا

چلا ہوں خُلدِ مدینہ میں آج اے راغب   خوشا کہ ختم ہُوا کربِ انتظار مِرا

آج کے نوجوان نعت گو شاعر، حضرت راؔغب مراد آبادی کے تلمیذِ رشید اور ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے سابق آفس سیکرٹری جناب ندیم احمد ندیؔم نورانی حضرت امام احمد رضا بریلوی کی تحریکِ نعت گوئی کے داعی اور امین ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ آپ کی نعتیہ شاعری بھی دبستانِ رضا کی خوبیوں سے آراستہ ہے۔ ان کے چند شعر ملاحظہ ہوں:

اَلْحَمْد سے وَالنَّاس تک قرآن ہے نعتِ نبی ﷺ ایماں اَفزا سُنّتِ رحمٰن ہے نعتِ نبی ﷺ
احمد رضا نے محفل نعتوں کی یوں سجائی قرآں کی آیتوں میں شانِ نبی دکھائی ۳۷

ہر گلی میں رضا کا چرچا ہے ہر چمن میں رضا کی نکہت ہے
جل رہا ہے چراغِ عشقِ رضا خلوتوں میں بھی نورِ جلوت ہے
میرے جذبات کی یہ رنگینی اُن کے نغمات کی بدولت ہے ۳۸

راقم، جس کو بے کمالی میں کمال حاصل ہے اور خود کو شاعر یا ادیب کی کسی گنتی میں شمار نہیں کرتا، جذبۂ صادق کے تحت کہے ہوئے اس کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

ہے نو اسنجانِ طیبہ میں بہت اعلیٰ مقام بلبلِ باغِ مدینہ حضرتِ احمد رضا
نعتِ احمد مجتبیٰ (ﷺ) لکھنے کا یہ اکرام ہے حشر تک ممدوحِ امّت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

امام احمد رضا کا کلام حیات آفریں اور آپ کی فکر حیرت افزا ہے۔ نصف صدی تک یہ کوشش کی جاتی رہی کہ امام احمد رضا کا تذکرہ اردو ادب میں نہ آئے مگر ''مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید'' کے مصداق امام احمد رضا کے ذوقِ عشق سے معمور نغمے جیسے جیسے لوگوں کی سماعت تک پہنچتے رہے، رضا بریلوی کا مقام بحیثیت شاعرِ دربارِ رسالت بلند سے بلند تر ہوتا چلا گیا۔ وہ فنِّ شاعری میں بے مثال تھے۔ وہ استاذ الاساتذہ تھے، ان کا کوئی استاذ نہ تھا، وہ تلمیذ الرحمٰن تھے۔ انہوں نے اردو شاعری کا قبلہ درست کیا اور غزل کو وہ رفعت بخشی کہ اسے نعت بنا دیا۔ امام احمد رضا نے اردو شعر و ادب کو نعت گوئی کا ایک مزاج دیا۔ گذشتہ پچاس سال میں نعت گوئی اور نعت خوانی کو جو فروغ ملا ہے اس میں امام صاحب کی نعت گوئی کا بہت بڑا حصّہ ہے۔ آج عوام الناس، خواص اور اردو کے ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں میں ''نعت فہمی''

و ''نعت گوئی'' اور نعت خوانی کا جو شعور بیدار ہوا ہے، یہ سب ''گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں'' کا فیضان ہے۔ آج کے دور میں اردو ادب کی تاریخِ نعت گوئی کا کوئی تذکرہ ''کلامِ رضا بریلوی'' کے ذکر کے بغیر بے سند سمجھا جاتا ہے۔ اس پس منظر میں پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ کا، رضا بریلوی کی نعت گوئی کا اردو شعر وادب پر اثر، کے حوالے، سے یہ تبصرہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، ملاحظہ کیجیے:

''رضا بریلوی کی نعت گوئی ایک تحریک بن گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے نعت گو شعرا کا ایک قافلہ رواں دواں نظر آنے لگا، شعری مجموعوں کا نہ ختم ہونے والا ایک سلسلہ شروع ہوا جو آج تک جاری ہے۔ یہ اس نعرۂ مستانہ کا جواب ہے جو انیسویں صدی عیسویں کی تاریک فضاؤں میں رضا بریلوی نے لگایا تھا، ڈاکٹر اقبال اسی آواز کی آوازِ بازگشت ہیں۔ آج عالمِ اسلام کو پیغامِ رضا کی ضرورت ہے۔''۳۹؎ ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں ''قرآنِ حکیم سیرتِ مجتبیٰ ہے، اور نعتِ مصطفیٰ ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ قرآن ہی سے سب نے نعت گوئی سیکھی، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں نعتیں اور قصیدے پیش کیے، حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے منبر بچھوائے، اللہ اکبر! نعت کہنے والوں اور نعت پڑھنے والوں کی کیا شان ہے! ۔۔۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد جو سلسلہ شروع ہوا وہ اب تک جاری ہے اور ان شاء اللہ جاری و ساری رہے گا۔ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے عشقِ رسول علیہ التحیۃ والتسلیم سے فیض پایا، بے شک عشق فیض رساں ہے، ذرے کو مہتاب بناتا ہے اور مہتاب کو آفتاب بناتا ہے، وہ علم و عشق کے آفتاب تھے، ان کی روشنی نے دلوں کو روشن کر دیا، دماغوں کو جلا بخشی، انسانوں کو انسان بنایا، شاعری وہی ہے، ادب وہی ہے جو انسانوں کو انسان بنائے، جس نے انسانوں کو حیوان بنایا اس نے شعر و ادب کو رسوا کیا۔۔۔ امام احمد رضا نے داغِ مجاز مٹا کر اردو شاعری پر نقشِ حقیقت جمایا، شعر و ادب کی لاج رکھ لی اور اس کو بلندیاں عطا کیں۔۔۔''۴۰؎

حضرت مولانا محمد بخش مسلم لاہوری امام احمد رضا کے ذوقِ نعت کو یوں خراجِ تحسین پیش کرتے نظر آتے ہیں:

مذہبش تبلیغِ حمدِ کبریا مشربش تلقینِ نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

جناب حافظ عبد الغفار حافظ کراچوی حضرت رضؔا بریلوی کی فروغِ نعت میں خدمات کو اپنی ایک منقبت میں یوں سراہتے ہیں:

حافؔظ فروغِ نعتِ رسولِ کریم ﷺ کا — سہرا بندھا ہے جس پہ وہ ماتھا رضا کا ہے

مبلغ اسلام علامہ شاہ محمد عبد العلیم صدیقی میرٹھی مدنی نے اعلیٰ حضرت رضا بریلؔوی کے تمام اصنافِ سخن، علم و فن اور شریعتِ و طریقت میں ان کے اعلیٰ تر مقام کو ایک منفرد انداز میں ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم — قسیمِ جامِ عرفاں اے شہِ احمد رضا تم ہو

جناب راجہ رشید محمؔود، جو شعر و سخن میں ایک بلند مقام کے حامل ہیں اور نعت گوئی کا نہایت ستھرا ذوق رکھتے ہیں، حضرت رضؔا بریلوی رحمہ اللہ کی نعتیہ شاعری کو الہامی شاعری کا درجہ دیتے ہوئے حضرت رضؔا کو "ہم زبانِ جبرئیل" کے خطاب سے یاد فرماتے ہیں اور اس بات کو فخریہ بیان فرماتے ہیں کہ نعت نگاری میں وہ (حضرت رضؔا) ان کے مقتدا ہیں۔

کون ہے نعتِ نبی میں ہم زباں جبریل کا — مدحتِ آقا میں ہے محمود کا جو مقتدا
روح و جاں کی کیفیت کو روپ لفظوں کا دیا — کس نے لکھا اپنی تحریروں میں دل کا ماجرا
سر پہ ہے سایہ فگن کس کے ردائے مصطفیٰ — سینۂ مہتاب میں ہے عکس کس کی چاہ کا
وہ امامِ اہلِ سنّت، عبقری اسلام کا — سیدی احمد رضا خاں ہے فنا فی المصطفیٰ ﷺ

جناب میر حسؔان المجددی، سہروردی بھی دبستانِ رضا سے اپنی وابستگی کا اظہار فخر و مباہات کے پیرائے میں بیان کرتے ہوئے حضرت رضؔا بریلوی کو اقلیمِ نعت کا خُسرُو قرار دیتے ہیں:

تجھ سے سیکھی ہے حسؔان نے نعتِ نبی ﷺ — تجھ سے عرفاں کی اس کو ملی آگہی
ہے مُسلّم تجھے نعت کی خسروی — تاجِ دارِ بریلی کی کیا بات ہے

فاضلِ نوجوان محقق، شاعر اور اردو، فارسی اور عربی شعر وادب سے گہرا لگاؤ رکھنے والے جناب محمد شہزاد مجددی صاحب ''کلکِ رضا'' سے صادر منثور و منظوم الفاظ کو ایک منفرد انداز میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:

ہے آئینۂ رشد فضلِ خدا سے　　جو صادر ہوا حرف کلکِ رضؔا سے
وہ قسّامِ فیضانِ عشقِ رسالت　　خدا کے کرم سے نبی کی عطا سے

آخر میں والہانہ انداز میں ملکِ سخن کے اس تاج ور کی مناسب مدحت سرائی اور اس کی فکر و وجدان سے فیض یابی کے لیے اسی کی بارگاہ میں یوں اظہارِ مدعا بھی کرتے ہیں:

لکھوں تاج دارِ بریلی کی مدحت　　ملے بہرہ وافر جو فکرِ رضا سے
احاطہ علومِ رضؔا کا کروں میں　　یہ کیوں کر ہو شہزاد مجھ نا رسا سے

پھر جب روحِ رضا کی کمک شہزادِ نارسا تک پہنچتی ہے تو ان کے زبان و قلم پر ایک وجد آگیں کیفیت طاری ہوتی ہے اور ''مدحتِ سلطانِ عرب'' کے چشمے ابلنے لگتے ہیں:

مجھ کو شہزاد کمک روحِ رضا سے پہنچی　　ورنہ ہوتی نہ رقم مدحتِ سلطانِ عرب

حضرت علامہ تابؔش قصوری نے اپنے پیکرِ نظم میں حضرت رضا بریلوی کی صفت ''وصّافِ خیر البشر'' کی تعریف و توصیف یوں فرمائی ہے:

عاشقِ خیر الوریٰ احمد رضا خاں قادری　　واصفِ شاہِ ہدیٰ احمد رضا خاں قادری
جن کا ہے کردار عکسِ سیرتِ خیر البشر　　وہ ہیں عبدِ مصطفیٰ احمد رضا خاں قادری
آج ہے تابؔش قصوری منقبت خوانِ رضؔا　　قلب وجاں کا مدعا احمد رضا خاں قادری

ایک محفل میں معروف شاعر و ادیب جناب قمر یزدانی، حضرت رضا بریلوی کی وصفِ نعت گوئی کی تعریف میں یوں نغمہ زن ہیں:

آپ ہیں مسند نشینِ محفلِ نعتِ نبی ﷺ　　سرورِ کونین کے ہیں مدح خواں احمد رضا

جناب عنایت احمد خاں غوری قیصر نیر ؔرضوی، دبستانِ نعت کو "گلستانِ رضا" سے تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آج جو ہر سمت نعت کی محفلیں منعقد ہو رہی ہیں اور نعت گوئی کو فروغ مل رہا ہے، یہ عندلیبانِ رضا کی چہچہازنی کا اثر ہے:

کیا بہارِ باغِ عالم ہے گلستانِ رضاؔ چہچہا زن ہیں ہر اک سو عندلیبانِ رضاؔ

پروفیسر محمد اکرم رضا مرحوم (م۲۰۱۳ء) ایک کہنہ مشق اور بلند پایہ نعت گو شاعر ہی نہیں، بلکہ تنقید نعت کے حوالے سے بھی وہ ایک مقامِ بلند کے حامل ہیں اور بقول پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب (اللہ تعالیٰ صحت بالخیر کے ساتھ طویل عمر عطا فرمائے۔ آمین) "محمد اکرم رضاؔ" امام احمد رضا کی شاعری کو اپنا راہنما اور مربی مانتے ہیں۔ علمی، فکری اور قلبی لحاظ سے وہ "مقیمِ کوچۂ مدحتِ شاہِ رضا" ہیں۔[۱۴۱]

وہ جب گلبنِ رضا کی خوشبوؤں سے معطر اپنی رشحاتِ قلم لے کر قارئینِ کرام کے سامنے آتے ہیں تو ان کے دل و جاں وجد کناں ہو کر بہرِ تعظیم جھک جاتے ہیں۔

امام احمد رضاؔ بریلوی کی بارگاہِ علم میں ان کی عقیدت کے وجد آگیں اشعار ملاحظہ ہوں:

ظلمتِ وقت میں سربسر روشنی شاہ احمد رضا شاہ احمد رضا
جس کی ہر ہر ادا آگہی آگہی شاہ احمد رضا شاہ احمد رضا
مثل بانگِ درا جس کی گونجی صدا جس نے ہم کو نشاں منزلوں کا دیا
جس نے افکار کو بخش دی تازگی شاہ احمد رضا شاہ احمد رضا
جس کی نعتوں کے انوار سے چارسو حُبِّ شاہِ عرب(ﷺ) کا اجالا ہوا
نعتِ احمدﷺ کے ایوان کی دل کشی شاہ احمد رضا شاہ احمد رضا

غرضکہ دورِ جدید کے شعرا میں ثناخوانِ مصطفیٰﷺ کی ایک کثیر تعداد نے دبستانِ رضا سے اپنی وابستگی پر فخر و مباہات کا اظہار کرتے ہوئے انہیں نہایت شاندار منظوم خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ چند مزید شعراءِ نعت کے منظوم تاثرات پیش کر کے گفتگو کو سمیٹتا ہوں۔ یہ اشعار حضرت سید مرغوب احمد اختر

الحامدی مرحوم کی تصنیف امامِ نعت گویاں (اپریل ۲۰۰۶ء) ناشر رضا اکیڈمی، لاہور کے مقدمہ سے ماخوذ ہیں (مقدمہ نگار حضرت علامہ تابش قصوری صاحب) ملاحظہ ہوں:

موجزن جن کی نعتوں میں عشقِ نبی ‏ ‏ جن سے ہر قلبِ مسلم میں ہے روشنی
زندگی جن کی تھی مدحتِ مصطفیٰ ﷺ ‏ ‏ ہاں وہی شاہ احمد رضا خاں رضاؔ

(سید یزدانی جالندھری)

اعلیٰ حضرت آپ کی ہستی تھی انعامِ خدا ‏ ‏ آپ سے واضح ہوا عشقِ نبی (ﷺ) کا مدعا
تم وفا کی ابتدا تھے تم وفا کی انتہا ‏ ‏ سیدی احمد رضا، یا سیدی احمد رضا

(حافظ بصیر پوری)

کھڑکیاں آنکھوں کی اور جب دل کا دروازہ کھلا ‏ ‏ تب نظر آئی مجھے کیا شان ہے شانِ رضا
غیر نظروں سے کوئی دیکھے انہیں کس کی مجال ‏ ‏ میرے آقا میرے مولا ہیں نگہبانِ رضا
لطف آجائے محبت کا صلہ اشرفؔ ملے ‏ ‏ حشر میں مجھ کو کہیں سب لوگ دربانِ رضا

(سید قمر اشرفؔ)

زندہ باد اے شاعرِ بزمِ رسالت زندہ باد ‏ ‏ زندہ باد اے تاج دارِ اہلِ سنّت زندہ باد

(قمرؔ یزدانی)

لاریب تجھے رومؔی و جامؔی سے ملا سوز ‏ ‏ حسانؔ نے بخشے تجھے افکار کے گوہر
تو نغمہ گوئے انجمنِ مصطفوی ہے ‏ ‏ دیوان ترا آئینۂ نعتِ پیمبر (ﷺ)

(منیرؔ قصوری)

خدا کی حمد ہے جس کا وظیفہ ‏ ‏ نبی (ﷺ) کے ذکر سے رطب اللسان ہے
کتابوں پہ کتابیں جس نے لکھیں ‏ ‏ جو تحریروں کا بحر بے کراں ہے

(وحید خیالؔ)

میرے مخدوم احمد رضا خاں ‏ ‏ محسنِ اہلِ سنّت کی کیا بات ہے

واصفانِ پیمبر تو ہیں اور بھی عظمتِ اعلیٰ حضرت کی کیا بات ہے
نعت گوئی کو ایسی دکھائی ہے راہ جس کسی نے سنا بول اٹھا واہ واہ
وہ حقیقت میں ملکِ سخن کے ہیں شاہ سچ ہے اس میں حیرت کی کیا بات ہے
(محمد علی ظہوری قصوری علیہ الرحمۃ)

کی جنہوں نے بھی ذرا تنقیصِ شانِ مصطفیٰ ﷺ کرکے رد اس کا بیان، ان کو پشیماں کرگئے
کوئی رخ چھوڑا نہ توصیفِ رسول اللہ (ﷺ) کا شان آقا کی وہ ہر رخ میں نمایاں کر گئے
دیکھتا ہی رہ گیا انورؔ زمانہ ان کا منہ کام جو کرنا تھا وہ احمد رضا خاں کرگئے
(انورؔ فیروز پوری)

بقا ہے اس کی نعتوں کو، ابھی ہے دم قدم اس کا خمِ نعتِ نبی سے ہے، عبارت کیف و کم اس کا
(آرؔم حسانی)

عاشقِ محبوبِ یزداں زندہ باد حضرتِ احمد رضا خاں زندہ باد
کشتیِ شعر و سخن کے ناخدا بزمِ الفت کے سخن داں زندہ باد
(راجہ سرؔور پسروری)

صاحبِ عرفان شاہ احمد رضا وقت کے حسان شاہ احمد رضا
نعت میں سوز و گداز و جذب و شوق عشق کی پہچان شاہ احمد رضا
(سید یزدؔانی جالندھری)

جس نے استعمارِ مکاں کو حراساں کردیا نقص جوئے مصطفیٰ کو جس نے عریاں کردیا
گمرہوں کو آشنائے ذوقِ ایماں کردیا نعت کے نغمات کو وقفِ رگِ جاں کردیا
آ ذرا مجھ کو بتا تو اے بریلی کی زمین ایسا ایک مردِ محبت اور دیکھا ہے کہیں
(جناب شبیرؔ احمد ہاشمی)

غرض کہ احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام نے نعت گوئی اور فروغِ نعت پر جو گہرے اثرات مرتب کیے ہیں وہ ایک بسیط مقالے کے متقاضی ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی مرحوم (م ۲۰۱۱ء) کا مقالۂ ڈاکٹریٹ "اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی" ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ اب آخر میں ملک کے معروف نقاد ڈاکٹر ریاض مجید صاحب کا رضاؔ بریلوی کی نعت گوئی کے اثرات کے حوالے سے ایک نہایت جامع جائزہ پیش کرکے گفتگو کو اختتام پذیر کرتا ہوں:

"نعت کے باب میں اگر مولانا احمد رضا خاں کی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ اردو نعت گوئی کی ترویج واشاعت میں ان کا حصّہ سب سے زیادہ ہے۔ کسی ایک شاعر نے اردو نعت پر وہ اثرات نہیں ڈالے جو مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی نے (ڈالے)۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اعلیٰ معیاری نعتیں تخلیق کیں، بلکہ ان کے زیرِ اثر ایک منفرد دبستان کی تشکیل ہوئی۔ ان کی نعت گوئی کی مقبولیت اور شہرت نے دوسرے شاعروں کو نعت گوئی کی ترغیب دی۔ عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آج بھی ان کا کلام ایک مؤثر تحریکِ نعت کا درجہ رکھتا ہے۔"[۴۲]

امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری کی انہی خوبیوں اور انفرادیت کی بنیاد پر مولانا کوثر نیازی صاحب اپنے ایک مقالہ "امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت" میں تحریر کرتے ہیں کہ امام موصوف کی ایک مشہور نعت کا یہ مقطع شاعرانہ تعلّی نہیں، بلکہ اظہارِ حقیقت ہے:

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیے ہیں

حواشی وحوالہ جات

(۱) الْاَعْرَاف:۷/ ۱۷۲

(۲) اٰل عمران: ۳/ ۸۱

(۳) الاحزاب ۳۳/ ۵۶۔

(۴) عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر: اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ص:۷۹ تا ۸۷، ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی۔

(۵) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: "اردو کی نشوونما میں صوفیاءِ کرام کا حصّہ"، مصنّف: مولوی عبدالحق اور "دکن میں اردو" مصنّف: نصیر الدین ہاشمی (وجاہت)۔

(۶) ریاض مجید، ڈاکٹر: اردو میں نعت گوئی، ص:۲۸۱ تا ۳۰۱، ناشر: اقبال اکادمی پاکستان، لاہور۔

(۷) ایضاً، ص:۳۰۱۔

(۸) ملفوظات، مرتبہ: مفتیِ اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں، ص:۱۶۱ تا ۱۶۳، حصّۂ دوم، ناشر: فرید بک ڈپو، لاہور۔

(۹) احمد رضا خاں، امام مولانا: حدائقِ بخشش، حصّۂ سوم، مطبوعہ بدایوں، ص:۹۳، ۹۴۔

(۱۰) محامدِ خاتم النبیین (امیر مینائی)، ص:۱۱۱۱ تا ۱۱۳۔

(۱۱) ایضاً، ص:۲۸، ۲۹۔

(۱۲) ایضاً، ص:۶۹۔

(۱۳) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الف۔ شعر الہند، مصنفہ: عبد السلام ندوی، حصّۂ دوم، ص:۲۱۱، ۲۱۲؛ ب۔ لکھنؤ کا دبستانِ شاعری، مصنّفہ: ابو اللّیث صدّیقی، ص:۵۴۵ تا ۵۴۸؛ جدید اردو میں نعتیہ شاعری، مصنّفہ: ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق، ص:۳۲۰، ۳۲۱۔

(۱۴) کلّیاتِ محسن۔

(۱۵) ایضاً۔

(۱۶) ایضاً۔

(۱۷) اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لیے درجِ ذیل کتب ملاحظہ ہوں: الف۔ اردو کی نعتیہ شاعری، مصنّفہ: ڈاکٹر فرمان فتح پوری؛ ب۔ کلّیاتِ نعت، مصنّفہ: مولوی محمد حسین؛ ج۔ کلّیاتِ محسن میں اسی قصیدے کی تشبیب میں "مناسباتِ کفر" کے استعمال کے جواز میں کہے گئے اشعار جس کے آخری دو شعر یہ ہیں۔

کفر و ظلمت کو کہا کس نے کہ ہے دینِ خدا ۔۔۔ مے و نغمہ کو لکھا کس نے کہ ہے حسنِ عمل

ہوا مبعوث فقط اس کو مٹانے کے لیے ۔۔۔ سیفِ مسلولِ خدا نورِ نبیِ مرسل (ﷺ)

د۔ ستارہ یا بادبان، مصنّفہ: محمد حسن عسکری۔

(۱۸) ریاض مجید، ڈاکٹر: اردو میں نعت گوئی، ص:۳۹۸، ناشر: اقبال اکادمی پاکستان، لاہور۔

(۱۹) عبد النعیم عزیزی، ڈاکٹر: اردو نعت گوئی اور فاضلِ بریلوی، ص:۱۳۲، ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹر نیشنل، کراچی (۲۰۰۸ء)۔

(۲۰) جوہر شفیع آبادی، ڈاکٹر: حضرت رضاؔ بریلوی بحیثیت شاعرِ نعت، ص:۶، ۷، ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹر نیشنل، کراچی (۲۰۰۶ء)۔

(۲۱) ریاض مجید، ڈاکٹر: اردو میں نعت گوئی، ص:۴۰۸، ۴۰۹، ناشر: اقبال اکیڈمی، لاہور، (۱۹۹۰ء)۔

(۲۲) جوہر شفیع آبادی، ڈاکٹر: حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعرِ نعت، ص:۱۰، ۱۱، ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، انٹر نیشنل، کراچی (۲۰۰۶ء)۔

(۲۳) عبد النعیم عزیزی، ڈاکٹر: اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ص:۳۶۳، ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، انٹر نیشنل، کراچی (۲۰۰۸ء)۔

(۲۴) جوہر شفیع آبادی، ڈاکٹر: حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعرِ نعت، ص:۷ تا ۱۰، ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، انٹر نیشنل، کراچی (۲۰۰۶ء)۔

(۲۵) عبد النعیم عزیزی، ڈاکٹر: اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ص ۶۶۲، ۶۶۳، ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹر نیشنل، کراچی (۲۰۰۸ء)۔

(۲۶) خیابانِ رضا، ص:۴۵۔

(۲۷) "کلامِ رضا" نظیر لدھیانوی، مطبوعۂ اعظم گڑھ ۸۳ / ۸۴ بحوالہ "مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری۔ ایک تحقیقی مطالعہ، کانپور یونیورسٹی، کانپور، مطبوعۂ دہلی، ۱۹۹۷ء، ص ۲۸۳۔

(۲۸) ملاحظہ ہو معارفِ رضا سالنامہ شمارہ ہفتم (۱۹۸۷ء)، مطبوعۂ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی، ص ۴۱، ۴۲، ۶۶۔

(۲۹) شمس بریلوی، علامہ، کلامِ رضا قدس سرہ کا تحقیقی اور ادبی جائزہ، مع حدائق بخشش کامل، مدینہ پبلشنگ، کراچی، ص ۲۲۰۔

(۳۰) کوثر نیازی، مولانا امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ ایک ہمہ جہت شخصیت، مطبوعۂ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی، ۱۹۹۳ء، ص ۲۱۔

(۳۱) ایضاً۔

(۳۲) حافظؔ مظہر الدین کی نعت گوئی کی خوبیاں جاننے کے لیے ان کے مجموعۂ کلام تجلیات، جلوہ گاہ اور بابِ جبرئیل ملاحظہ فرمائیں۔ (وجاہت)

(۳۳) ذوقِ نعت۔

(۳۴) انوارِ رضا، طارق سلطانپوری نمبر، شمارہ ۳، ۲۰۰۹ء، ص ۱۳۵، مطبوعہ لاہور۔

(۳۵) انوارِ رضا، طارق سلطانپوری نمبر، شمارہ ۳، ۲۰۰۹ء، ص ۱۳۵، مطبوعۂ لاہور۔

(۳۶) ماہنامہ آستانہ، کراچی، شمارہ جون تا اگست ۲۰۱۲ء، ص ۴۔

(۳۷) ماہنامہ معارفِ رضا، کراچی، اگست ۲۰۰۹ء، ص ۴۔

(۳۸) ماہنامہ معارفِ رضا، کراچی، جون ۲۰۱۰ء، ص ۴۔

(۳۹) محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: آئینۂ رضویات، حصّۂ سوم، مرتبہ عبد الستار طاہر، ناشر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی، ۱۹۹۲ء، ص ۱۳۲۔

(۴۰) تقدیم "تاریخ نعت گوئی میں امام احمد رضا کا مقام" مارچ ۲۰۰۱ء، ناشر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، انٹر نیشنل، اسلام آباد برانچ، ص نمبر ا۔

(۴۱) محمد اکرم رضا پروفیسر، تاجِ دارِ ملک سخن، (اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ) المدنیہ دار الاشاعت، اردو بازار، لاہور (سن طباعت درج نہیں ہے)، ص ۱۲۔

(۴۲) ریاض مجید، ڈاکٹر: اردو میں نعت گوئی، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۴۲۰۔

اسلامک بینک کا موجد امام احمد رضا

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

یونیورسٹی کراچی، پاکستان

ای میل: majeedgeol_pk@yahoo.com

Abstract: In 1806, when the interest based banking system was being built around the world, Bank of Calcutta was established in the subcontinent during the British reign. It was the time when Muslim scholars could neither issue a clear and adhesive verdict regarding currency notes nor they were devising any concept of Islamic Banking whereas the entire economic system of the world was being molded into the banking system and Muslims were also getting involved in the interest based monetary transactions. Imam Ahmad Raza, the reformer of the 14th century, presented the solution of the both issues. He declared currency notes as wealth (*an article that has economic utility: a monetary value or an exchange value*) in 1905 and legitimated its trade. In addition, for the first time, as a Muslim jurist and scholar, he delivered a comprehensive and practical concept of a Muslim Bank in 1912 so that Muslims can refrain themselves from the transactions of interest and through the Muslim Banks they could strengthen the Muslim economy in the world.

امام احمد رضا خاں سنی محمدی حنفی قادری برکاتی محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (1272ھ/1856ء۔ 1340ھ/1921ء) عالمِ اسلام میں برّصغیر کی وہ عظیم علمی شخصیت ہیں جنھوں نے اپنے 55 سالہ قلمی دور میں اپنے زمانے کے تمام مروجہ علوم وفنون پر قلمی رشحات یادگار چھوڑے ہیں۔ ان کی تصانیف وتالیفات کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ پائی جاتی ہیں۔ علومِ عقلیہ ونقلیہ پر، عربی، اردو وفارسی زبان میں لکھی گئیں تصانیف بالخصوص علومِ معاشیات پر لکھی گئیں تصانیف آپ کے علمی قد کو آج بھی بلند کیے ہوئے ہیں۔ بیسویں صدی عیسوی اگرچہ انسانی تاریخ کی اہم ترین صدی ہے، جس میں انسان نے دیگر علوم وفنون کی طرح علمِ معاشیات واقتصادیات سمیت ہر علم وفن میں تیزی سے ترقی کی ہے جبکہ اکیسویں صدی میں ترقی کی رفتار کہیں زیادہ ہے۔ 19 ویں صدی کا آخری نصف اور بیسویں صدی عیسوی کا اوّل 20 سالہ دور نئی نئی ایجادات اور نئے نئے سائنسی خیالات کا دور ہے، جس کے باعث انسان تیزی کے ساتھ ترقی کر رہا ہے، مگر اس ترقی میں بالخصوص علم معاشیات اور اقتصادیات کی جدوجہد میں مسلمانوں کا حصہ کم کم دکھائی دیتا ہے اور اگر کہیں مسلمانوں نے ان علوم میں کوئی اہم کردار ادا بھی کیا ہے تو اس کو عالمی تو درکنار خود مسلمان ملکوں میں بھی پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔

برصغیر پاک وہند میں 1856ء میں انگریز مسلط ہو چکے تھے جس کے باعث یہاں کے مسلمان ہندوؤں اور انگریز کے دباؤ میں زندگی گزار رہے تھے۔ دوسری طرف سائنسی دنیا میں ترقی کی بے شمار راہیں کھل رہی تھیں مگر سب کا سب غیر مسلموں کے ہاتھوں ترقی پا رہا تھا۔ 1856ء کے بعد حجاز وعرب کے اندر بھی مسلمانوں کی سب سے بڑی حکومت سلطنتِ عثمانیہ بھی دم توڑ رہی تھی اور مسلمانوں کی بڑی سلطنت میں حکومت تتر بتر ہو رہی تھی۔ مسلمان بحیثیت قوم پوری دنیا میں تیزی کے ساتھ تنزلی کا شکار ہو رہے تھے۔ سب سے زیادہ جو مسلمانوں کے درمیان پریشانی بڑھ رہی تھی وہ جدید معاشی مسائل تھے۔ مسلمان سربراہوں سمیت مسلمان حکومت کے پاس کوئی ٹھوس معاشی ترقی کا پروگرام نہ تھا۔ معیشت اپنا رنگ بدل رہی تھی سادہ تجارت اب نئے سسٹم کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اسی اثنا میں جدید معاشیات کو ترقی دینے کے لیے بینک کا قیام ناگزیر ہو چکا تھا اور درہم ودینار کی جگہ اور لین دین کے لیے اب کاغذی نوٹ

رواج پانے لگا تھا۔ بینک جو اس زمانے میں قائم ہو رہے تھے وہ سب کے سب سود (Interest) کی بنیاد پر رواج پا رہے تھے۔ بر صغیر پاک وہند میں پہلا با قاعدہ بینک "بینک آف کلکتہ" 1806ء میں قائم ہو چکا تھا اور پھر بر صغیر کے کئی شہروں میں اس کی شاخیں انگریز حکومت کے دوران قائم ہو چکی تھیں۔ دوسری طرف بینک کے اندر لین دین سکوں کی بجائے کاغذی نوٹ کے ذریعے شروع ہو چکا تھا۔ 1856ء تا 1912ء بر صغیر سمیت پورے عالم اسلام میں کسی بھی مسلمان نے یا مسلمان حکومت نے نہ تو کوئی بینک قائم کیا اور نہ ہی ایک اہم ایجاد یعنی کاغذی نوٹ کے ذریعے تجارت کو شرعی حیثیت دے سکا بلکہ اکثر علما ومفتیان نے کاغذی نوٹ کو مال ہی تسلیم نہ کیا جس کے باعث مسلمان تاجر بھی بے حد متاثر ہو رہے تھے۔ اس زمانے کے علما و مفتیانِ اسلام کے فتاویٰ میں نوٹ کے سلسلے میں عدم جواز کا فتویٰ ملتا ہے جبکہ بر صغیر کے کسی بھی مفتی یا عالم دین نے مسلمانوں کو اپنا اسلامی بینک قائم کرنے کی کوئی ترغیب بھی نہیں دی۔ راقم الحروف حیران ہے کہ مفتیان اسلام ان دو اہم معاشی نظریات یعنی اسلامی بینک کا قیام اور کاغذی نوٹ کے ذریعے تجارتی لین دین پر اسلام کا موقف دینے میں کیوں پیچھے رہے اور جلد ہی ان دونوں اہم معاملات کا حل پیش کر کے Leading پوزیشن کیوں کر حاصل نہ کر سکے؛ جب کہ ہمارا بحیثیت مسلم قوم یہ دعویٰ ہے کہ ہمارا قرآن اور احادیث کا مجموعہ رہتی دنیا تک کے ہر زمانے کے ہر قسم کے مسائل حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے مگر ترقی کی اس ابتدائی دور میں ان کا حل پیش نہ کر کے دنیا کی ترقی کی رفتار سے ہم بہت پیچھے رہ گئے۔ تاریخ اسلام پر نظر ڈالنے سے محسوس یہ ہوتا ہے کہ 1856ء تا حال مسلمان دینِ اسلام میں تفرقہ ڈالنے میں تو بہت ترقی کر گئے مگر دنیا کی ترقی میں اپنا کردار ادا نہ کر سکے۔ افسوس کہ مسلمانوں نے ساری توانائی اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے منصبِ نبوت اور اختیاراتِ نبوت کی بحث میں صرف کر دی اور ہم معاشی اور معاشرتی مسائل حل کرنے میں بہت پیچھے رہ گئے۔ اللہ عزوجل نے ان دو عالمی مسائل (مسلم بینک کا قیام اور نوٹ کی شرعی حیثیت) کے حل کے لیے عالم اسلام میں بریلی کی ایک شخصیت امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی المعروف بہ "اعلیٰ حضرت" کا انتخاب فرمایا اور ان کو وہ فہم و فراست عطا کی جو مومن کا کھویا ہوا خزانہ ہے۔ امام احمد رضا خاں محدث بریلوی نے اپنے

55 سالہ قلمی دور میں دینِ اسلام کی قلم کے ذریعے وہ خدمت انجام دی جو ان کے ہم عصروں میں کوئی بھی نہ کر سکا۔ آپ نے اپنے رشحاتِ قلم سے انسانی زندگی کے ہر ہر شعبے میں مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی۔ یہ رہنمائی صرف اسلامی مسائل تک محدود نہ تھی بلکہ سائنسی، معاشرتی، معاشی، اقتصادی، تجارتی، سیاسی، ادبی، طبی گویا زندگی کے تمام پہلوؤں پر قرآن و احادیث کی روشنی میں مسلمانوں کے مسائل کا حل پیش کیا۔ یہاں صرف ان دو اہم ترین مسائل جو اوپر پیش کیے گئے ان پر امام احمد رضا کے موقف کو پیش کروں گا یعنی (۱) مسلمانوں میں اسلامی بینک قائم کرنے کی ترغیب اور اسلامی بینک کے قیام کے سلسلے میں ان کی تحقیقات۔ (۲) "تجارتی لین دین کاغذی نوٹ کے ذریعے" آپ نے مسلمانوں کے لیے جواز کا فتویٰ دے کر دین اسلام کی خدمت کا ایک اہم ترین فریضہ انجام دیا۔ ان دونوں نکات پر امام احمد رضا کا موقف اور تحقیق پیش کی جائے گی۔ امام احمد رضا عالم اسلام میں پہلے محقق ہیں جنھوں نے مسلمانوں کو ان کا اپنا بینک، شرعی اصولوں کے مطابق قائم کرنے کی ترغیب دی اور تجارتی لین دین کو کاغذی نوٹ کے ذریعے جائز ثابت کر کے مسلمانوں کو ایک بڑی الجھن سے نکال کر ان کو ترقی کرنے والی قوم کے ساتھ لا کھڑا کیا مگر افسوس ان دو اہم کارناموں کو مسلمانوں نے ہی دنیا کے سامنے مخفی رکھ کر ترقی کی دوڑ میں پیچھے رکھ کر مسلمانوں پر ظلم کیا اور اب اس ترقی کے دوڑ میں کہیں کسی مسلمان کا نام تک نہیں آتا اور جس مسلمان نے فرضِ کفایہ ادا بھی کیا تو خود مسلمانوں نے اس کی پذیرائی سے اجتناب کیا۔ پچھلی دو صدیوں میں غیر مسلموں نے ترقی کر کے دنیا کو ہماری ہتھیلی میں رکھ دیا اور مسلمانوں نے آپس میں تفرقہ بازی میں ترقی کر کے غیر مسلموں کے سامنے مسلمانوں کو ایک غیر ترقی یافتہ قوم کی صورت میں پیش کیا۔

(۱) کرنسی نوٹ کا مسئلہ اور امام احمد رضا کا موقف

امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی جب اپنے دوسرے حج کے موقعہ پر مکۃ المکرمہ میں قیام پذیر تھے اسی دوران مکۃ المکرمہ کے حنفی عالمِ دین الشیخ عبد اللہ میر داد نے کرنسی نوٹ سے متعلق 12 سوالات استفتاً کی صورت میں پیش کیے۔ اس وقت تک یعنی 1324ھ /1905ء تک عرب و عجم میں کرنسی نوٹ علمائے کرام کے درمیان زیرِ بحث تھا اور اس کے جواز کی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ اکثر

مفتیانِ کرام نے عدمِ جواز کا ہی فتوی دیا تھا۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے ان 12 سوالات کا جواب ایک رسالے کی صورت میں دیا یہ رسالہ عربی زبان میں بعنوان "کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم" لکھا، جب کہ سفر کی وجہ سے کوئی علمی کتاب بھی آپ کے پاس نہ تھی مگر اپنے مطالعہ اور حافظے کی بنیاد پر یہ تفصیلی فتویٰ عربی زبان میں لکھ کر سب کو حیرت میں ڈال دیا۔ آپ نے یہ رسالہ جو 1324ھ / 1905ء میں لکھا اس میں نہ صرف 12 سوالات کے جواب ہیں بلکہ اس زمانے میں مروجہ انگریزی قوانین کارد کرتے ہوئے اسلامی اصول کے مطابق ہر قسم کی تجارت اور بینکنگ سسٹم کے اصول وضوابط قلم بند کر کے امّتِ مسلمہ پر احسانِ عظیم کیا اور اسلام کا عَلَم بلند فرمایا۔ اس رسالے کی تفصیل تو قاری عربی زبان میں یا اس کے ترجمے میں پڑھ سکتا ہے؛ یہاں اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں، البتہ اس رسالے میں پوچھے گئے 12 سوالات میں سے اول سوال سے متعلق جواب کے چند اقتباسات یہاں پیش کروں گا تاکہ امام احمد رضا کے اس عظیم کارنامے سے قارئینِ کرام کو آگاہ کیا جاسکے اور یہ معاملہ مسلم قوم کے سامنے رکھا جائے کہ مسلمانوں نے اس رسالے سے 100 سال پہلے کیوں کر فائدہ نہ اٹھایا اور کیوں اس عظیم تحقیق کو سرد خانے میں ڈال دیا گیا اور اب چوری چھپے اسی رسالے سے استفادہ کر کے لوگوں کے سامنے اسلامک بینکنگ کا چیمپئن بنا جارہا ہے جب کہ اس کا موجد کوئی اور (یعنی امام احمد رضا خاں محدث بریلوی) ہے۔

سوال نمبر(ا) کیا وہ (کرنسی نوٹ) مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سند۔ا۔

الجواب!

"جان اللہ تعالیٰ مجھے اور تجھے توفیق دے اور میری تیری ہدایت کا والی ہو کہ نوٹ ایک سب سے زیادہ جدید اور نو پید چیز ہے۔ تو تالیفات علما میں اس کا اصلاً نام ونشان نہ پائے گا یہاں تک علامہ شامی اور ان کے مثل جن کا زمانہ ابھی قریب گذرا، لیکن ہمارے اماموں نے (اللہ ان کی نیک کوششیں ٹھکانے لگائے اور ان کی عظیم برکتوں کا ہمیں فیض پہنچائے) اس دینِ حنیف کا شافی بیان فرمادیا جس میں اصلاً پوشیدگی نہیں۔"

آگے چل کر مزید رقم طراز ہیں:

"الحمد اللہ یہ شریعت ایسی روشن چمکتی ہوگئی کہ اس کی رات بھی دن کی طرح ہے تو انھوں نے قواعد مقرر فرمائے اور ہر بات جدا جدا دکھادی اور ایسے کلیے ذکر فرمائے کہ بے شمار جزئیوں پر منطبق آئیں۔ تو نئی پیدا ہونے والی باتیں اگرچہ ختم ہونا نہیں مانتیں مگر وہ علم جو ائمہ ہم کو دے گئے اس سے کوئی بات باہر رہتی نہیں معلوم ہوتی۔ اللہ نے چاہا تو زمانہ ایسوں سے خالی نہ ہوگا جسے اللہ تعالیٰ ان پوشیدہ باتوں کے نکالنے اور ان بخششوں اور فضیلتوں سے نفع اٹھانے پر قدرت دے۔"[۲]

ا۔ ان تمہیدی کلمات کے بعد کاغذی نوٹ سے متعلق پوچھے گئے سوال کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اس کی اصل تو معلوم ہے کہ وہ "کاغذ کا ایک ٹکڑا" ہے اور کاغذ مالِ متقوم ہے اور اس سکّہ نے ایسے کچھ زیادہ نہ کیا مگر یہ ہی کہ لوگوں کی رغبتیں اس کی طرف بڑھ گئیں اور وقت حاجت کے لیے اٹھا رکھنے کا زیادہ لائق ہوگیا۔ مال کے معنیٰ ہی یہ ہیں یعنی وہ جس کی طرف طبیعت میل کرے اور حاجت کے لیے اٹھا رکھنے کے قابل ہو جیسا کہ بحر و شامی وغیرہما میں ہے۔"

اور معلوم ہو کہ شرع مطہرہ نے کبھی مسلمانوں کو اس سے نہ روکا کہ اپنے پارۂ کاغذ میں جس طرح چاہے تصرف کرے جیسا کہ شراب و خوک (خمر و خنزیر) کے بارے میں نہی وارد ہوئی اور مال کی قیمت والے ہوئے ہونے کا اسی پر مدار ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور اس میں تلویح سے نقل فرمایا: "مال وہ چیز ہے جس کی شان یہ ہو کہ وقتِ حاجت اس سے نفع لینے کے لیے اٹھا رکھا جائے اور قیمت والا ہونا مال ہونے کو مستلزم ہے" اور اسی میں بحوالہ بحر الرّائق حاوی قدسی سے ہے مال آدمی کے سوا ہر شے کا نام ہے جو آدمی کی مصلحتوں کے لیے پیدا کی گئی اور اس قابل ہو کہ اسے محفوظ رکھیں اور بااختیار خود اس میں تصرف کریں اور بے شک محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا:

"لَو بَاعَ کاغذۃ بالف یَجُوز وَلَا یکرہ"

یعنی اگر کوئی اپنا کاغذ کا ٹکڑا ہزار کو بیچے تو بلا کراہت جائز ہے۔"[۳]

مندرجہ بالا کلمات کے بعد امام احمد رضا کاغذی نوٹ سے متعلق اپنا فتویٰ اور حاصل کلام پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اور اگر تحقیق کیجیے تو (اوپر بیان شدہ) یہ بعینہٖ نوٹ کا جزیہ ہے کہ ان امام (مصنف فتح القدیر) نے اس (کاغذی نوٹ) کی پیدائش سے 5 سو برس پہلے فرمایا کہ یہی وہ کاغذ ہے جو ہزار روپے کو بکتا ہے اور کچھ اچنبھا نہیں کہ ایسی کرامتیں ہمارے علمائے کرام سے بکثرت ثابت ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی برکتوں سے دنیاو آخرت میں نفع پہنچائے آمین۔

تو کوئی شک نہیں کہ نوٹ بذات خود قیمت والا مال ہے کہ بکتا ہے اور مول لیا جاتا ہے اور ہبہ کیا جاتا ہے اور وراثت میں آتا ہے اور جتنی باتیں مال میں جاری ہیں سب اس میں جاری رہتی ہیں۔"[۴]

امام احمد رضا نے جب یہ رسالہ "کفل الفقیه الفاهم" لکھ کر علمائے عرب کے سامنے پیش کیا تو سب کے سب دنگ رہ گئے۔ ایسا ہی ایک واقعہ خود مصنف کی زبانی سنیے جو ان کے ملفوظات میں محفوظ کر لیا گیا ہے:

"ان ہی دنوں میں مولانا عبد اللہ مرداد اور مولانا حامد احمد جدّادی نے نوٹ کے بارے میں فقیر سے استفتا کیا تھا جس میں بارہ سوالات تھے اور میں نے بکمال استعجال اس کے جواب میں رسالہ "کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم" تصنیف کیا تھا وہ تبییض کے لیے حرم شریف کے کتب خانے میں سید مصطفیٰ برادرِ خورد مولانا سید اسمٰعیل مکی کے پاس تھا کہ وہ نہایت جمیل الخط ہیں۔ زمانہ سابق میں جب میرے استاذ الاستاذ حضرت مولانا جمال بن عبد اللہ بن عمر مکی رحمۃ اللہ علیہ مفتیِ حنفیہ تھے ان سے نوٹ کے بارے میں سوال ہوا تھا اور جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ علم گردنوں علما میں امانت ہے۔ مجھے اس (کاغذی نوٹ) کے جزئیہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کچھ حکم دوں۔ ایک دن میں (خود مصنف احمد رضا) کتب خانے میں جاتا اور ایک صاحب کو بیٹھے دیکھتا ہوں کہ میرا یہی رسالہ "کفل الفقیه الفاهم" مطالعہ کر رہے ہیں جب اس مقام پر پہنچے جہاں میں نے فتح القدیر سے یہ عبارت (لوباع کاغذة بالف یجوز ولا یکرہ) نقل کی

ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ایک کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے جائز ہے، مکروہ نہیں، پھڑک اٹھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر کہا:

"این جمال بن عبد اللہ من ھذا النص الصریح" حضرت جمال بن عبد اللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہے!"۵؎

امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے اس رسالے "کفل الفقیہ" میں تفصیل سے نوٹ کے متعلق بقیہ سوالات کے جواب دیے ہیں۔ یہاں انتہائی اختصار کے ساتھ ان 12 سوالوں میں سے چند سوالات و جوابات پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ قارئین اور اس سے تعلق رکھنے والے حضرات اس اہم تحقیق سے آگاہ ہو سکیں۔ چنانچہ ان 12 سوالات اور ان کے جوابات ملاحظہ کیجیے:

سوال نمبر 1: کیا نوٹ مال ہے یا رسید؟

جواب نمبر 1: نوٹ قیمتی مال ہے، رسید نہیں۔ فتح القدیر میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک کاغذ ہزار روپے کے بدلے بیچے تو بلا کراہت جائز ہے۔ یہ نوٹ کی ایجاد سے پہلے اس کے بارے میں ایک جزئیہ ہے۔

سوال نمبر 2: اگر یہ نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال بھی گذر جائے تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی یا نہیں؟

جواب: ہاں شرائطِ زکوٰۃ پائے جانے پر زکوٰۃ واجب ہو گی کیوں کہ یہ ذاتی طور پر مالِ متقوم ہے۔

سوال نمبر 3: کیا اسے مہر میں دینا صحیح ہے؟

جواب: ہاں اسے مہر میں مقرر کرنا اور دینا صحیح ہے جبکہ عقد کے وقت اس کی قیمت سات مثقال چاندی ہو۔

سوال نمبر 4: اگر اسے محفوظ جگہ سے چوری کر لیا جائے تو ہاتھ کاٹنا واجب ہو گا؟

جواب: ہاں اگر ہاتھ کاٹنے کی شرائط پائی جائیں تو واجب ہو گا۔

سوال نمبر 5: کیا اسے ضائع کرنے کی صورت میں اس کے بدلے تاوان ہو گا؟

جواب: ہاں اسے ہلاک کرنے کی صورت میں اس کی مثل کے ساتھ تاوان واجب ہو گا۔

سوال نمبر 6: کیا اسے درہموں، دیناروں اور پیسوں کے ساتھ بیچنا جائز ہے؟

جواب: ہاں جائز ہے، جیسا عام شہروں میں لوگوں کے درمیان معمول ہے۔

سوال نمبر7: اگر اسے کپڑوں کے بدلے لیا جائے تو بیع مقایضہ ہو گی یا مطلق بیع؟
جواب: یہ اصطلاحی ثمن ہے لہٰذا کپڑوں کے بدلے اسے لینا بیع مقایضہ نہیں بلکہ بیع مطلق ہو گی۔
سوال نمبر8: کیا اسے قرض میں دینا جائز ہے؟
جواب: اسے بطور قرض دینا جائز ہے اور ادائیگی صرف اس کے مثل سے ہو گی۔
سوال نمبر9: کیا اسے بطور ادھار مقررہ مدت تک درہموں کے بدلے بیچنا جائز ہے؟
جواب: ہاں جائز ہے، بشرط یہ کہ مجلس میں نوٹ پر قبضہ کرے تاکہ دَین کے بدلے دَین نہ ہو۔
سوال نمبر10: کیا اس میں بیع سلم جائز ہے؟
جواب: ہاں نوٹ میں بیع سلم جائز ہے۔[٦]

امام احمد رضا نے جب یہ رسالہ لکھ کر علما کے سامنے پیش کیا تو مکۂ مکرمہ کے جلیل القدر علمائے کرام مثلاً شیخ الائمہ والخطبا علامہ احمد ابو الخیر مرداد حنفی، سابق مفتی و قاضی شیخ صالح کمال حنفی، حافظ کتب حرم الفاضل سید اسماعیل خلیل حنفی اور مفتی احناف عبد اللہ صدیقی رحمھم اللہ نے اسے سنا اور اس کی تحسین فرماتے ہوئے اسے نقل کر لیا۔

امام احمد رضا نے کفل الفقیہ کا رسالہ لکھ کر اس امت پر اتنا بڑا احسان کیا کہ جس کی کوئی مثل نہیں آپ نے اس وقت اٹھائے گئے تمام سوالات کا جواب دے کر قیامت تک کے لیے امّتِ مسلمہ کو ایک بڑے بحران سے بچا لیا اور اگر یہ مسئلۂ نوٹ اس وقت حل نہ ہوتا تو نہ جانے آج ہم کہاں کھڑے ہوتے۔ آپ نے نوٹ کا مسئلہ حل کر کے اس وقت تجارت سے متعلق تمام امور کا حل پیش کر کے ملت اسلامیہ کی بھرپور رہنمائی فرمائی، مگر افسوس کے فرقہ وارانہ جنگ کے باعث امام احمد رضا کا اس صدی کا عظیم ترین کارنامہ لوگوں کی نظروں سے دور کر دیا گیا اور لگتا یہ ہے کہ اس اہم مسئلے کا حل شاید کسی ایسی مخلوق نے کیا جس کو ہم جانتے بھی نہیں، لیکن حق ہمیشہ حق ہوتا ہے۔ اسی حقانیت کو امام احمد رضا کے مخالفین میں سے ندوۃ العلوم کے محقق اور مورخ محترم جناب شیخ ابو الحسن ندوی اپنی اہم تالیف نزھۃ الخواطر میں امام احمد رضا کے اس اہم رسالے کو پذیرائی دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"انہوں (امام احمد رضا) نے بعض فقہی اور کلامی مسائل میں علمائے حجاز سے گفتگو کی اور حرمین شریفین میں قیام کے دوران بعض رسائل لکھے اور علمائے حرمین کے سامنے پیش کیے جانے والے بعض مسائل کے جوابات دیے۔ چنانچہ وہ آپ کی وسعتِ علمی، فقہی متون اور اختلافی مسائل سے واقفیت، سرعتِ تحریر اور ذہانت سے بہت تعجب میں آئے۔ فقہ حنفی اور اس کی جزئیت پر اطلاع کے حوالے سے آپ نادرِ روزگار تھے۔ آپ کے مجموعۂ فتاویٰ اور کفل الفقیہ الفاھم جسے آپ نے مکہ مکرمہ میں مرتب کیا اس بات پر شاہد ہیں۔"[۷]

(2) امام احمد رضا کا دوسرا عظیم کارنامہ مسلمانوں کے لیے اسلامی بینک قائم کرنے کی تجویز تھی۔ امام احمد رضا نے 1324ھ /1905ء میں کرنسی نوٹ کا مسئلہ حل کر کے مسلمانوں کے لیے تجارت کے مسائل کا حل تو پیش کر ہی دیا تھا، مگر اب اس امر کی ضرورت شدت اختیار کر رہی تھی کہ مسلمانوں کی رقم محفوظ ہاتھوں میں رہے اور ابھی تک اس کا کوئی معقول سسٹم نہ تھا۔ تمام دنیا میں تجارت کا کنٹرول غیر مسلموں کے پاس منتقل ہو رہا تھا اور انھوں نے اپنے لوگوں کے فائدے کے لیے بینک بھی قائم کر لیے تھے اور زیادہ تر تجارت وہ آپس میں کیا کرتے تھے تاکہ ان کی رقم ان ہی کے لوگوں کے درمیان گشت کرے۔ امام احمد رضا کو اللہ نے اس دور کے مسائل کے حل کے لیے پیدا کیا تھا، چنانچہ جب ان سے ایک موقعہ پر محترم منشی لعل خاں نے 1331ھ /1912ء میں سوال کیا تو اس کے جواب میں آپ نے ایک رسالہ "تدبیرِ فلاح ونجات واصلاح" کے نام سے لکھا، جس میں مسلمانوں کی فلاح ونجات کا حل پیش کیا۔ امام احمد رضا کے ان پیش کردہ نِکات سے قبل خود امام احمد رضا کے قلم سے اس زمانے میں مسلمانوں کی مسلمانوں کے معاملات میں عدم دلچسپی ملاحظہ کیجیے کہ جب سلطنتِ عثمانیہ کا زوال ہو رہا تھا، تو یہاں یعنی ہند کے مسلمانوں کو ان کی کسی بھی قسم کی مالی یا دیگر ذریعے سے مدد دینے میں کوئی دلچسپی نہ تھی ملاحظہ کیجئے مسلمانوں کی عدم دلچسپی کا منظر نامہ امام احمد رضا کی تحریر میں:

"مسلمانوں میں یہ طاقت کہاں کہ وطن ومال واہل وعیال چھوڑ کر ہزاروں کوس دور جائیں اور میدانِ جنگ میں (ترکی حمایت میں) مسلمانوں کا ساتھ دیں مگر مال تو دے سکتے ہیں اس کی حالت بھی

سب آنکھوں دیکھ رہے ہیں وہاں مسلمانوں پر کیا کچھ گزر رہی ہے؛ یہاں وہی جلسے، وہی رنگ، وہی تھیٹر، وہی امنگ وہی تماشے بازیاں، وہی غفلتیں، وہی فضول خرچیاں، ایک بات کی بھی کمی نہیں، ابھی ایک شخص نے ایک دنیاوی خوشی کے نام سے 50 ہزار روپے دیے، ایک عورت نے ایک چین وچناں جرگہ کو 50 ہزار دیے، ایک رئیس نے ایک کالج کو ڈیڑھ لاکھ دیے۔۔۔۔۔ اور مظلوم اسلام کی مدد کے لیے جو کچھ جوش دکھارہے ہیں آسمان سے بھی اونچے ہیں اور جو اصل کارروائی ہو رہی ہے زمین کی تہہ میں ہے پھر کس بات کی امید کی جائے، بڑی ہمدردی یہ نکالی ہے کہ یورپ کے مال کا بائیکاٹ ہو، میں اسے پسند نہیں کرتا، نہ ہرگز مسلمانوں کے حق میں کچھ نافع پاتا ہوں، اوّل تو یہ بھی کہنے کے الفاظ ہیں۔ نہ اس پر اتفاق کریں گے، نہ ہرگز اس کو نباہیں گے۔ اس عہد کو پہلے توڑنے والے جینٹلمین حضرات ہی ہوں گے جن کی گزر بغیر یورپین اشیا کے نہیں۔ یہ تو سارا یورپ ہے، پہلے صرف اٹلی کا بائیکاٹ ہوا تھا اس پر کتنوں نے عمل کیا اور کتنے دن نباہیا۔[۸]

امام احمد رضا ان تمہیدی کلمات کے بعد مسلمانوں کو معاشی بحران سے نکالنے کی نصیحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"مسلمان اپنی سلامت روی پر قائم رہیں، کسی شریر قوم کی چال نہ سیکھیں، اپنے اوپر مفت کی بدگمانی کا موقع نہ دیں، ہاں اپنی حالت سنبھالنا چاہتے ہیں تو ان لڑائیوں پر ہی کیا موقوف تھا ویسے ہی چاہیے تھا کہ:

اولاً: باستثنا ان معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھوں میں لیتے، اپنے سب معاملات اپنے آپ فیصل کرتے، یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ و وکالت میں جاتے ہیں، گھر کے گھر تباہ ہو گئے اور ہوئے جاتے ہیں محفوظ رہتے۔

ثانیاً: اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا، اپنی حرفت و تجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے، یہ نہ ہوتا کہ یورپ و امریکہ والے چھٹانک بھر تانبا کچھ صناعی کی گھڑنت کرکے گھڑی وغیرہ نام رکھ کر آپ کو دے جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں۔

ثالثاً: بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تونگر مسلمان اپنے بھائی مسلمانوں کے لیے بینک کھولتے، سود شرع نے قطعی حرام فرمایا ہے، مگر اور سو طریقے نفع لینے کے لیے حلال فرمائے ہیں، جن کا بیان کتبِ فقہ میں مفصّل ہے اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ کتاب ”کفاالفقیہ الفاھم“ میں چھپ چکا ہے، اُن جائز طریقوں پر بھی نفع لیتے کہ انھیں بھی فائدہ پہنچاتا اور ان کے بھائیوں کی بھی حاجت بر آتی اور آئے دن جو مسلمانوں کی جائدادیں بنیوں (ہندو تاجر) کی نذر ہوئی چلی جاتی ہیں ان سے بھی محفوظ رہتے، اگر بنیوں کی جائداد ہی لی جاتی، مسلمان ہی کے پاس رہتی۔ یہ تو نہ ہوتا کہ مسلمان ننگے اور بنیے تنگے۔

رابعاً: سب سے زیادہ اہم، سب کی جان، سب کی اصلِ اعظم وہ دینِ متین تھا، جس کی رسی مضبوط تھامنے نے اگلوں کو ان مدارجِ عالیہ پر پہنچایا، چار دانگِ عالم میں ان کی ہیبت کا سکہ بٹھایا، نانِ شبینہ کے محتاجوں کو بلند تاجوں کا مالک بنایا، اور اسی کے چھوڑنے نے پچھلوں کو یوں چاہِ ذلت میں گرایا۔۔۔۔ دینِ متین علمِ دین کے دامن سے وابستہ ہے؛ علم دین سیکھنا پھر اس پر عمل کرنا اپنی دونوں جہاں کی زندگی چاہتے وہ انھیں بتا دیتا، اندھوں! جسے ترقی سمجھ رہے ہو سخت تنزلی ہے جسے عزت جانتے ہو اشد ذلت ہے۔“[9]

امام احمد رضا یہ 4 نکات پیش کرنے کے بعد خود ہی تحریر فرماتے ہیں کہ ”مسلمان اگر یہ چار باتیں اختیار کرلیں تو ان شاء اللہ العزیز آج ان کی حالت سنبھل جاتی۔ آپ کے (مخاطب مفتی منشی لعل ہیں) سوال کا جواب تو یہ ہے، مگر یہ تو فرمائیں کہ سوال و جواب سے حاصل کیا جب کوئی اس پر عمل کرنے والا نہ ہو۔“

امام احمد رضا خاں چونکہ مسلمانوں کی بہبود کے خیر خواں ہیں، اس لیے ان چار نکات پر عمل پیرا ہونے کے لیے اس کی تفصیل بتاتے ہیں۔ جو ان کے رسالے ”تدبیر فلاح و نجات و اصلاح“ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہاں موضوع سے متعلق صرف ایک نکتے کی وضاحت کرنا چاہوں گا کہ 1912ء میں امام احمد رضا کے ہم عصروں میں برصغیر پاک و ہند اور بلاد عرب میں ایک سے ایک بلند پایہ مفتی اور عالمِ دین موجود تھا، مگر اس وقت کے مسلمانوں کے معاشی حالات و معاملات کے پیش نظر کسی نے بھی مسلمانوں کو مسلم یا اسلامی بینک قائم کرنے کی رغبت نہ دلائی یہ حقیقت ہے اور حقیقتاً حقیقت ہے کہ کسی نے بھی اس

طرف توجہ نہ فرمائی۔ اس لحاظ سے امام احمد رضا کو اسلامی بینک کا موجد قرار دیا جاسکتا ہے، جہاں انھوں نے متعدد علوم وفنون میں تجدیدی کارنامے انجام دیے، وہیں علمِ معاشیات میں انھوں نے اسلامی بینک کے قیام کا نظریہ پیش کر کے اس فن میں بھی موجد ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ امام احمد رضا کے اس اہم نکتے کی وضاحت پاکستان کے ماہرِ معاشیات پروفیسر رفیع اللہ صدیقی نے ایک مقالے میں کی تھی، یہ مقالہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے قیام (1980ء) کے بعد "معارف رضا" کے نام سے شائع ہونے والے پہلے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ مقالے میں اس نکتہ کی تفصیل پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ مقالہ طوالت اختیار کر گیا ہے اس لیے یہ اقتباسات اصل مقالے میں ملاحظہ کریں۔

پروفیسر رفیع اللہ صدیقی نے امام احمد رضا کے الم۔۔۔۔۔

"بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدر آباد دکن کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔"[۱۰]

وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"یہ نکتہ معاشی نقطۂ نظر سے اس قدر اہم ہے کہ ہمیں مولانا احمد رضا خاں کی اقتصادی سمجھ بوجھ کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ 1912ء میں ہندوستان کے صرف چند بڑے بڑے شہروں میں بینک قائم تھے، جن کی ملکیت انگریزوں یا ہندوؤں کے ہاتھوں میں تھی۔ برصغیر میں 1940ء تک کوئی مسلم بینک موجود نہ تھا۔ 1912ء میں بینک اور بینکوں کی اہمیت کا اندازہ لگانا کوئی آسان بات نہ تھی، لیکن مولانا کی نگاہوں سے معاشیات کے مستقبل کے اس اہم ادارے کی اہمیت پوشیدہ نہ رہ سکی اور انھوں نے مال دار مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے بھائیوں کے لیے بینک قائم کریں۔"[۱۱]

پروفیسر رفیع اللہ صدیقی صاحب امام احمد رضا کے پیش کردہ اس نکتے کی کہ جس میں بینک قائم کرنے کی اپیل کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہ جدید ماہرینِ اقتصادیات بچت (Savings) اور زر کی ذخیرہ اندوزی (Hoarding) کو کتنی اہمیت دیتے ہیں اور امام احمد رضا نے اپنی نگاہ سے بہت پہلے اس مسئلے کو بھانپ لیا، اس لیے مسلمانوں کی بھلائی چاہتے ہوئے تونگر مسلمانوں سے اپیل کر دی۔

پروفیسر صدیقی صاحب اس سلسلے میں مزید تحریر فرماتے ہیں:

"1912ء میں جب کہ اقتصادی تعلیم محدود تھی کسے معلوم تھا کہ تیس چالیس سال کے بعد بچت اور بینک کس قدر اہمیت اختیار کر جائیں گے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے مستقبل میں جھانک لیا تھا۔ انھوں نے مسلمانوں کو نہ صرف فضول خرچی سے باز رکھنے کی تلقین کی، نہ صرف پس اندازی کی، ہدایت کی بلکہ صاحبِ حیثیت اور دولت مند مسلمانانِ ہند سے اپیل کی کہ وہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے بینک قائم کریں۔ وہ بینک جہاں کم حیثیت کے مسلمان اپنی چھوٹی چھوٹی بچائی ہوئی رقم محفوظ رکھ سکیں اور جہاں سے باصلاحیت مسلمان آجروں کو سرمایہ فراہم ہو سکے اور صنعت کاری کے میدان میں ہندوؤں کا مقابلہ ڈٹ کر کر سکیں۔"۱۲؎

پروفیسر رفیع اللہ صدیقی اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے آخر میں امام احمد رضا کو اسلامی بینک قائم کرنے کی حکمتِ عملی پر زبردست خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"میں سوچتا ہوں کہ کاش 1912ء میں چند ایک ہی ایسے اہلِ دل مسلمان ہوتے جو مولانا احمد رضا خاں کے ارشادات پر عمل کر لیتے تو مسلمانوں کی اقتصادی تاریخ برصغیر میں یقیناً مختلف ہوتی اور پاکستان کو انتہائی نامساعد معاشی مسائل کا سامنانہ کرنا پڑتا۔ ایسی گہری سوچ اور ایسے نکات جن کے نتائج اس قدر دور رس ہوں کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ تو صرف مردِ مومن کا کمال ہے۔ اس مردِ مومن نے تونگر مسلمانوں کو دعوت دی کہ مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا بینک قائم کرو تاکہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت سنبھلے۔ یہ ہی بات 1946ء میں قائدِ اعظم نے دہرائی (جن کے باعث کلکتہ میں 9 جولائی 1947ء میں مسلم کمرشل بینک قائم ہوا)۔ اگر 1912ء میں سر آدم جی اور مرزا اصفہانی جیسے دوچار سرمایہ دار اور فاضلِ بریلوی کی ہدایت پر عمل کر لیتے تو مسلمانوں کا معاشی مستقبل بہت کچھ سنور جاتا اور اس کے اقتصادی نتائج نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں کے لیے، بلکہ مسلمانانِ عالم کے لیے بے حد خوشگوار ثابت ہوتے۔"۱۳؎

امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کے اس نظریہ اور اپیل کو مسلمان اگر اس وقت سمجھ لیتے اور اس پر عمل پیرا ہو جاتے تو آج مسلم ممالک کی عربوں ڈالر کی رقم مغربی ملکوں کی بینک کی زینت نہ ہوتی بلکہ یہ ساری رقم ہمارے مسلم بینکوں میں ہوتی۔ امام احمد رضا نے 1912ء میں جب یہ چار نکاتی فارمولا پیش کیا اس وقت سلطنتِ عثمانیہ زوال کی طرف تھی اور برٹش کوشش کر رہے تھے کہ اس آخری اسلامی سلطنت کو توڑ دیں۔ وہ کسی حد تک 1924ء میں کامیاب بھی ہو گئے چنانچہ سعودی عرب کے علاوہ چھوٹی چھوٹی مختلف ناموں سے اسلامی ریاستیں قائم کر کے مسلمانوں کی قوت کا شیرازہ بکھیر دیا۔ یہ اس لیے ہوا کہ انگریز عرب کے علاقوں میں تیل، گیس تلاش کرنا چاہتا تھا اور بہت جلد 1930ء سے قبل عرب میں تیل دریافت بھی ہو گیا۔ تیل دریافت ہونے کے بعد اس نے عربوں سے کوڑیوں کے دام تیل خریدا اور جو رقم ان کو دینا تھی وہ بھی اپنے بینکوں میں جمع کروائی کہ مسلمانوں کے پاس اس وقت کوئی بینک نہ تھا۔ انگریز نے اس رقم سے اپنے ملکوں میں ترقی کی اور پھر عربوں کو ترقی کی لالچ دے کر تیل کے پیسوں سے وہاں ترقی کا کام شروع کیا۔ وہ ساری رقم ترقی پر جو خرچ ہوئی وہ سب کی سب انگریز کمپنی والے لے گئے۔ اس طرح عربوں کے تیل سے پورا یورپ اور امریکہ پلا بڑھا اور آج بھی ان ملکوں کے بینکوں میں ایک بڑی رقم عربوں کی ہی ہے، مگر حال اب یہ ہے کہ امریکہ و یورپ جب چاہتے، ہیں ان کی رقم کو سیل کر دیتے ہیں جیسا کہ عراق، لیبیا، کویت، مصر، ایران، شام، لبنان کے عربوں کی رقم وقتاً فوقتاً سیل کر دی گئی۔ کاش امام احمد رضا کی آواز پر اس وقت مسلمان لبیک کہتے ہوئے اسلامی بینکوں کا جال بچھا دیتے تو یہ ساری رقم مسلمان ملکوں میں مسلمان خرچ کرتے اور آج جس طرح یورپ ترقی یافتہ Continent ہے، مڈل ایسٹ بھی اور دیگر مسلم ممالک بھی ترقی یافتہ ہوتے مگر افسوس کہ ملتِ اسلامیہ میں کوئی بھی صلاح الدین ایوبی کے کردار کا آدمی سامنے نہیں آیا۔ اللہ نے ایسی فہم و فراست والی شخصیت یعنی امام احمد رضا مسلمانوں کو دی جس نے علم و قلم کے ذریعے رہنمائی کی، مگر ہم مسلمانوں نے اس طرف کوئی توجہ نہ کی۔ یہ ہی شخصیت اگر غیر مسلموں میں ہوتی اس کو نہ جانے لوگ کیا سے کیا بنا دیتے مگر ہم نے اپنے ہیرو کی قدر نہ کی۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو عقلِ سلیم عطا کرے۔ آمین!

مآخذ و مراجع

۱۔ فتاویٰ رضویہ جلد ۷، ص۱۲۶، مکتبۂ رضویہ کراچی۔

۲۔ فتاویٰ رضویہ، جلد ۷، ص۱۲۷، مکتبۂ رضویہ، کراچی۔

۳۔ فتاویٰ رضویہ، جلد ۷، ص۱۲۸، مکتبۂ رضویہ، کراچی۔

۴۔ فتاویٰ رضویہ، جلد ۷، ص۱۲۹، مکتبہ رضویہ، کراچی۔

۵۔ ملفوظات، حصّۂ دوم، ص137-138، مرتبہ مفتیِ اعظم ہند، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی۔

۶۔ بلاسود بینکاری، اردو ترجمہ "کفل الفقیہ الفاھم"، ص۷۔۸، مطبوعہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا۔

۷۔ ابوالحسن علی الندوی، نزھۃ الخواطر، ج۸، ص۴۲، مطبوعہ کراچی۔

۸۔ فتاویٰ رضویہ، جلد 15، ص۱۴۳ تا ۱۴۴، مطبوعہ لاہور۔

۹۔ فتاویٰ رضویہ، جلد 15، ص۱۴۵، مطبوعہ، لاہور۔

۱۰۔ معارفِ رضا 1981ء، ص۵۷۔

۱۱۔ ایضاً، صفحہ ۵۸۔

۱۲۔ ایضاً، صفحہ ۵۹۔

۱۳۔ ایضاً، صفحہ ۵۹ تا ۶۰۔

مولانا حسن رضا خاں بریلوی کی تصنیفی خدمات

محمد ثاقب رضا قادری

Abstract: This research paper is writhen by Muhammad Saqib Raza Qadri. In this research paper, he described the authoring and poetic services of maulana hassan raza khan breilvi.

Ahmed Raza is the ingenious personality of the indo-Pak sub- continent, whose academic position and legal insight has general recognizance. His multifarious environments deserve that they should be spread an international level. His greatest aced is that he beautified the hearts of Muslims with the love of the holy prophet (P.B.O.H) through his academic wonders, sweet writings and speeches and most reliable poetry. The greatness of Imam Ahmeed Raza is evident from more than on thousand of his books written on over hundred subjects.

The writings and poetry of Imam Ahmed Raza influenced others and others and left remarkable marks. His poetry is also covered to be its elements. His poetry not only beautiful and full of meanings of verses, but readers also takes interest and increases their knowledge continuously. This writing is filed with good and pares feelings of life. In his writings we see the combination of poetry with good style. Different topics sure as socially, scientifically and religiously have been presented in his writings. Surely it is the remarkable work or services of "KHANWADA-E-RIZWIYA".

God bless him soul rest in peace

This research paper is used for our research scholars and other lovers of Urdu literature.

مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں

''حسن رضا بریلوی'' جہانِ شعر و سخن کا ایک مشہور اور دنیاے علم واَدب کا ایک مظلوم نام ہے۔ یہ نام میلاد کی محفلوں میں کثرت سے کانوں میں رس گھولتا ہے؛ لیکن علم واَدب کے عصری دبستان اس نام سے بہت کم مانوس ہیں۔ حالانکہ اس نام کی گونج علم وفکر کے ایوانوں میں زیادہ سنی سنائی جانی چاہیے؛ کیوں کہ یہ نام شعر و سخن کے میدان سے زیادہ فکر و تحقیق اور عقائد و نظریات کے میدانوں میں معرکہ آرا رہا ہے۔ اس مظلوم مجاہد نے نظم و نثر دونوں میدانوں میں بے تکان لکھا، اور اتنا لکھا کہ عقائد و معمولاتِ اہلسنّت کو نکھار نکھار کے رکھ دیا، اور منکرین و مخالفین کو رجھا رجھا کے پچھاڑا؛ تاہم ہم جیسے ننگ اَسلاف ان گراں قدر سرمایوں کی کیا قدر جانتے۔ نہ اُن کی حفاظت کا کوئی معقول بندوبست کیا، اور نہ اُن کی اشاعت مکرر کرکے اُن کی صیانت کو یقینی بنایا۔ گویا ایسے بیش قیمت خزانے کو ضائع کرنے میں ہم نے اپنی طرف سے تو کوئی کسر روا نہ رکھی؛ تاہم مالک الملک پروردگار کو ایسے بیش قیمت شہ پاروں کا ضیاع منظور نہ تھا؛ کیوں کہ اُن میں توحید باری کی تابانیاں اور عشقِ رسولِ مقبول علیہ السلام کی جلوہ سامانیاں مستور تھیں، سو اُس نے اُن کے تحفظ و بچاؤ کا غیبی سامان کیا، اور آج محض اُسی کی توفیق بے پایاں اور نوازشِ بے کراں کے طفیل ایک ایک کرکے وہ ہم دست ہوتے چلے جارہے ہیں۔ فللّٰہ الحمد علی منّہٖ و کرمہٖ۔
اس مضمون کے ذریعے دراصل حسن رضا بریلوی کے انھیں نایاب وپایاب لعل وگہر کی تب و تاب کا کچھ اجمالی و تفصیلی بیان مقصود ہے۔

۱۔ ذوقِ نعت [۱۳۲۶ھ]

مولانا حسن رضا کا نعتیہ دیوان ''ذوقِ نعت'' معروف بہ ''صلۂ آخرت'' کے تاریخی نام سے ۱۳۲۶ھ میں آپ کے وصال کے بعد حکیم حسین رضا خان کی سعی و اہتمام سے طبع ہوا۔ حمد، نعت، مناقبِ صحابہ و اولیا، ذکرِ شہادت، بیانِ معراج، نغمۂ رُوح، کشفِ رازِ نجدیت، رُباعیات اور چند تاریخی قطعات پر مشتمل ہے۔ تقریباً تمام حروفِ تہجی کے ردیف میں مولانا نے کلام فرمایا ہے۔ اوّل طباعت پر اخبارِ ''اہلِ

فقہ"، امر تسر کے ایڈیٹر مولانا غلام احمد صاحب نے ۲۰ جولائی، ۱۹۰۹ء کے شمارے میں "ذوقِ نعت" کا اشتہار دیا، جس کو ہم یہاں نقل کر رہے ہیں:

"یہ نعتیہ دیوان جناب حضرت مولانا الحاج حسن رضا خان صاحب مرحوم و مغفور بریلوی کی تصنیف ہے۔ حضرت مولانا موصوف اعلیٰ درجے کے ادیب اور شاعر تھے اور آپ کے کلام میں ایسی تاثیر ہے کہ دل اِس کے سننے سے بے اختیار ہو جاتا ہے۔ آپ کی قادرُ الکلامی کا یہ عالم ہے کہ ایک دفعہ مجھے بریلی جانے کا اتفاق ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ میں نعتیہ رسالہ جاری کرنے والا ہوں، پہلی طرح ہو گی "محوِ دیدارِ محمد دل ہمارا ہو گیا"، اس پر ایک نعتیہ غزل تحریر فرما دیجیے۔

آپ نے فوراً قلم برداشتہ غزل لکھ دی جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں (یہ غزل دیوان میں موجود نہیں):

ڈوبتوں کا یا نبی کہتے ہی بیڑا پار تھا — غم کنارے ہو گئے پیدا کنارا ہو گیا
تیری طلعت سے زمیں کے ذرّے مہ — تیری ہیبت سے فلک کا مہ دو پارا ہو
نام تیرا ذکر تیرا تو ترا پیارا خیال — ناتوانوں بے سہاروں کا سہارا ہو گیا

آپ نے ایامِ رحلت سے پہلے اپنا نعتیہ دیوان مرتب کرنا شروع کیا مگر افسوس کہ چھپنے سے پہلے آپ رہ گزارِ عالم جاودانی ہوئے اور اب یہ دیوان آپ کے فرزندِ رشید جناب مولوی حکیم حسین رضا خان صاحب نے نہایت عمدہ کاغذ پر بکمالِ آب و تاب چھپوایا ہے۔ علاوہ نعت شریفوں کے حضراتِ بزرگان دین کی شان میں مناقب و قصائد لکھے ہیں۔ بعض مبتدعین کے رد میں بھی چند نظمیں ہیں۔ تمام مسلمانوں کو عموماً اور نعت خوانوں کو خصوصاً اس قابل قدر کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔"

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے "ذوقِ نعت" کی تاریخ میں ایک شاہ کار قطعہ لکھا، قطعہ کیا ہے اعلیٰ حضرت کی شاعری شکوہ انداز، حسؔن کی یادیں، شاعری اور شخصیت کا حسین مرقّع، مِلّی اور مذہبی خدمات، اپنے روابط اور حسؔن سے جذباتی لگاؤ کا واضح اظہار جو اعماقِ قلب سے زبانِ قلم پر اُترا اور صفحہ قرطاس پر بکھر گیا۔ آخری چار شعر ہر مصرع تاریخ، مصرع نصف کی تکرار، صنائع بدائع سے مملو، حسن و جمال کی تصویر دیکھیے۔

قوت بازوئے من سُنّی نجدی فگن — حامی و زائر حسن، سلمہٗ ذوالمنن
نعت چہ رنگیں نوشت، شعر خوش آئیں — شعر مگو دیں نوشت، دور ز ہر ریب و
شرع ز شعرش عیاں، عرش بہ — سُنّیہ را حرزِ جاں، نجدیہ را سر شکن
قلقلِ ایں تازہ جوش، بادہ بہنگام — نور فشاند بگوش، شہد چکاں در دہن
کلک رضاؔ سالِ طبع، گفت بہ افضال — زانکہ از اقوالِ طبع، کلک بود نغمہ زن
"اوج بہیں محمدت، جلوہ گہ — "عافیت عاقبت باد نوائے حسنؔ"
"بادِ نوائے حسنؔ، باب رضائے — "باب رضائے حسنؔ، باز بہ جلبِ
"باز بہ جلبِ مِنن، بازوئے بخت — "بازوِ بخت قوی،نیک حجاب مِحَن"
"نیک حجاب محن، فضل عفو و نبی" — "فضل عفو و نبی، حبل وی و حبل

اعلیٰ حضرت مزید فرماتے ہیں:

نعتِ حسنؔ آمدہ نعتِ حسن — حُسنِ رضا باد بزیں سلام
اِنَّ مِنَ الذَّوْقِ لَسِحْرٌ ہمہ — اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃٌ تمام
کلک رضاؔ داد چناں سال آں — یافت قول از شد رأس الانام

پاک و ہند میں "ذوقِ نعت" کے کئی ایڈیشنز چھپ کر قبولیتِ عامّہ حاصل کر چکے، لکھنؤ سے طبع ہونے والے پانچویں ایڈیشن میں کچھ کلام کا اضافہ کیا گیا، غالبًا یہی نسخہ بعد میں مرکزی انجمن حزب الاحناف، لاہور سے شاہ ابوالبرکات (خلیفۂ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی) نے شائع کروایا۔ اضافی کلام کی تفصیل پیش کی جاتی ہے:

۱۔ اس ایڈیشن میں مولانا حسن رضا کی مثنویوں کو شامل کیا گیا، جن میں "وسائلِ بخشش" بھی شامل ہے اور کچھ میلاد شریف کے بیان پر مشتمل ہیں۔

۲۔ قصیدہ در مدح شاہ فضلِ رسول بدایونی علیہ الرحمۃ۔

۳۔ نذیر احمد دہلوی نے سید احمد خان کی مدح میں قصیدہ لکھا تھا جس کا ردیف "باقی" تھا، مولانا نے اس قصیدے کا ایک ایک شعر نقل کر کے پھر اسی ردیف میں نذیر احمد کے قصیدے کا رد کیا ہے۔ تقریبًا سو (۱۰۰) سے زائد اشعار ہیں۔

۲۔ وسائلِ بخشش [۱۳۰۹ھ]

وسائلِ بخشش (1309ھ) اُستادِ زمن، شہنشاہِ سُخن برادرِ اعلیٰ حضرت مولانا حسن رضا خان حسؔن برکاتی بُوالحسینی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مایۂ ناز تصنیف ہے۔ طباعتِ اُولیٰ نادری پریس بریلی سے 1309ھ میں ہوئی۔ لکھنؤ سے پرنٹ "ذوقِ نعت" کے بارِ پنجم ایڈیشن کے ساتھ ملحق کر دیا گیا۔ بعد میں طبع ہونے والے "ذوق نعت" کے ایڈیشنز سے متعدد کلام خارج کر دیا گیا جس کی وجہ سے یہ مثنوی "وسائل بخشش" بھی نایاب ہو گئی۔

ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیبؔ مولانا حسن رضا کی مثنویوں کے متعلق رقم طراز ہیں:

"ان میں قابل ذکر مثنوی "وسائل بخشش" ہے جس میں 602 اشعار ہیں اور نعت کے علاوہ مناقب بھی ہیں۔ اس مثنوی کا انداز مثنوی کی فضا کے مطابق غزل سے اور خاص طور پر داغؔ اسکول کی غزل سے بالکل مختلف ہے، بہ حیثیت مجموعی یہ اعلیٰ درجہ کی مثنوی ہے۔ ذوق نعت میں اس کی شمولیت ناروا تھی، اس کو علیحدہ کتابی شکل میں طبع ہونا چاہیے تھا۔" [۱]

وسائل بخشش کا آغاز توحیدِ باری تعالیٰ سے ہوتا ہے، مولانا نے نہایت احسن انداز میں اللہ وحدہٗ لاشریک کی وحدانیتِ حقیقی کو بصورت نظم بیان کیا کچھ دیگر صفاتِ اُلوہیت کا بیان کرنے کے بعد حضور ختم المرسلین ﷺ کی بارگاہ میں مدحت کے گلدستے پیش کیے اور آخر میں سرکار غوثیت مآب میں عقیدت کے پھول نچھاور کیے۔ پھر سرکار غوث پاک کی گیارہ (11) عدد کرامات کا منظوم ذکر کیا اور دو عدد مناقب تحریر کیے اور آخر میں ایک مولانا حسن رضا کا تحریر کردہ "نغمۂ رُوح" (1309ھ) اور اعلیٰ حضرت کی "نظمِ معطر" (1309ھ) بھی شامل ہے۔

ڈاکٹر صابر سنبھلی (مرادآباد، ہند) لکھتے ہیں:

"(وسائلِ بخشش کی) پہلی تین مثنویات حمدیہ و نعتیہ ہیں جن میں عشق و محبّت کے جذبات کی تیز آنچ کے ساتھ اشہبِ فکر کی وہ جُولانیاں بھی نظر آتی ہیں جو مولانا کو عاشق سے زیادہ شاعر اور شاعر سے زیادہ عاشق ثابت کرتی ہیں۔" [۲]

۳۔ صمصام حسن بردابر فتن [۱۳۱۸ھ]

ندوہ کے رد میں بزبانِ فارسی مثنوی ہے جو کہ ''آمال الابرار وآلام الأشرار'' کے ہمراہ ۱۳۱۸ ہجری میں مطبع حنفیہ، عظیم آباد سے شائع ہوئی۔ سرورق پر یہ عبارت تحریر ہے:

''الحمدللہ یہ قصیدہ و مثنوی کا مجموعہ لاجواب ہے قصیدہ و مثنوی ندوہ کا جواب ہے مقاصدِ قصیدہ مذمت دنیا، ترغیبِ عقبیٰ، قدح ندوۂ بدعت، مدح جلسۂ علمائے اہل سنّت، دافعۂ فساد منعقدہ عظیم آباد عربی فصیح بے ارتکاب ضرورات قبیح مع ترجمہ اردو با محاورہ سلیس بے تکرار قافیہ 170 اشعار آبدار نفیس نام تاریخی ''آمال الابرار وآلام الاشرار'' معروضہ خادم سنّت و اہلِ سنّت محمد عبدالوحید حنفی فردوسی عظیم آبادی مع مثنوی فارسی بنام تاریخی ''صمصام حسن بردابرِ فتن'' تصنیف لطیف فصیح بے مثال بلیغ نازک خیال محبِّ سنّت عدوِّبدعت جناب مولانا مولوی محمد حسن رضا خان حسؔن قادری برکاتی بریلوی صین عن المحن اس میں بطرز جدید و بیان مفید نیچریہ و ندویہ وروافض ووہابیہ کا ردّ جلیل اور علمائے اہلِ سنّت حضار جلسۂ عظیم آباد کی مدح جمیل باہتمام بندہ منتظم تحفۂ مبارکہ حنفیہ (شائع ہوئی۔)''

اس مثنوی میں یہ عنوانات شامل ہیں: تبری از آلہہ مخترعہ بدعیان بحضرت الہ حق سنیاں، نعت شریف، کشف استار ندوۂ نابکار، باحکیم پریشان مداح ندوہ خطاب دوستانہ نمودن بار بحال ندوہ رجوع فرمودن، بزم آرائی خامۂ مشکین سواد در مدح طرازی مجلس علمائے اہلِ سنّت واقع عظیم آباد شامل ہیں۔

آخری عنوان کے تحت جن علمائے اہل سنت کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے، اُن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

تاج الفحول محبِّ رسول علامہ عبدالقادر بدایونی، عین الحق شاہ محمد عبدالمجید بدایونی، معین الحق سیف اللہ المسلول شاہ محمد فضل رسول بدایونی، شاہ امین احمد، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان، مطیع الرسول مولانا عبدالمقتدر بدایونی، حکیم عبدالقیوم بدایونی شہید مرحوم، سید عبدالصمد سہسوانی، مولانا حکیم محمد سراج الحق صاحب مقیم علی گڑھ، محدث سُورتی وصی احمد، ابوالذکاء مولانا شاہ سلامت اللہ رام پوری، مولوی عنایت اللہ رام پوری، مولوی ہدایت اللہ خان جون پوری، مولانا عبدالغفار خان رام پوری، مولوی ظہور الحسین

رام پوری، شاہ محمد حسین، شاہ احمد علی صاحب نقشبندی، مولوی عبد السلام قادری برکاتی جبلپوری، شاہ محی الدین، سید محسن کان پوری، مولوی رمضان، مولوی عبد الکافی مولوی عبد اللطیف، محمد عبد العزیز صاحب مظفر پوری، مولوی عبد المجید، مولوی بشارت کریم، حافظ محمد بخش، مولوی نبی بخش، شاہ عزیز الدین قمری، شاہ محمد امیر صاحب، مولوی سید اعظم شاہ جہانپوری، ، شاہ نصیر الحق، شاہ وحید الحق، مولوی فضل المجید بدایونی، حکیم خلیل الرحمٰن پیلی بھیتی، حکیم مومن سجاد کان پوری، اعجاز حسین رام پوری، مفتی حامد رضا خان بریلوی، مولوی عبید اللہ الہ آبادی، مولوی عبد الرحیم اور مولوی محمد علی ارشد صاحب۔

بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی مد ظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

"عربی اور فارسی پر آپ (یعنی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی) کی دست گاہ ان قصائد سے ظاہر ہوتی ہے جو وقتاً فوقتاً آپ نے تحریر فرمائے ہیں۔ بہت سے قصائد جو اپنے احباب و اصحاب کے نام سے کبھی تحریر فرمائے ہیں، مثلاً آمال الابرار، صمصام حسن وغیرہا ان کے دیکھنے سے اعلیٰ حضرت کی ادبیت اور فصاحت و بلاغت کا قدرے علم ہو سکتا ہے۔"[۳]

قصیدہ آمال الابرار سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم یہاں صمصام حسن کی بابت کچھ معروضات پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اوّل یہ کہ صمصام حسن کو کسی نے بھی اعلیٰ حضرت کی تصانیف میں شمار نہیں کیا۔ دوم یہ کہ اس مثنوی میں جہاں دیگر علما کی مدح میں اشعار ہیں وہیں اعلیٰ حضرت کی شان میں بھی اشعار موجود ہیں۔ اگر مفتی صاحب کے قول کو تسلیم کیا جائے تو پھر یہ مندرجہ ذیل اشعار کس کے تصنیف کردہ ہیں:

کعبۂ دیں حضرت احمد رضا — عالم سنّت ہمہ نور ضیا
ماہ دل افروز عروج جمال — مہر عدو سوز بروج جلال
رفعت او بیں کہ بملک حجاز — دست بزرگان بدعایش دراز
از عمل و علم سر افراز گشت — معجزۂ صاحب اعجاز گشت
آیۂ رحمت ز کتاب کرم — مایہ نعمت پے خیر الامم
حامی و دمساز طریق حسن — خانہ بر انداز شرور و فتن
اتبری نجدیہ از نامہ اش — رفض کش و ندوہ شکن خامہ اش

وقف ثنایش ز عرب تا عجم | گمرہ اگر مدح نگوید چہ غم
گوبد و بدگوئے بشو طعنہ زن | مرد خدا را چہ غم از طعنہ زن
خاک سوئے ماہ جہاں تاب ریز | ہم سرو روئے تو شود خاک بیز
بدر کہ تا بید بہ انوار خوش | کار ندارد بہ سگ و عو عوش
شیر نہ ترسد ز ہیا ہوئے خوک | بحر نہ رنجدز لکد کوب غوک

۴۔ ثمر فصاحت[۱۳۱۹ھ]

مولانا حسن رضا کو فصیح الملک مرزا داؔغ دہلوی سے تلمّذ حاصل تھا۔ یہ غزلیہ مجموعہ داؔغ دہلوی کی اقتدا میں ہی لکھا گیا۔ دیوان تو مولانا کی حیات میں ہی ترتیب پا گیا تھا مگر اشاعت آپ کے وصال کے بعد ہوئی، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ ثمر فصاحت کا مادۂ تاریخ۱۳۱۹ھ ہے اور مولانا کا وصال ۱۳۲۶ھ میں ہوا۔''ثمر فصاحت''کی طباعت پر جو تاریخی قطعات رقم کیے گئے ان سے۱۳۲۶ھ، ۱۳۲۷ھ اور ۱۳۲۸ھ کا استخراج ہوتا ہے۔ چنانچہ منشی شریف خان صاحب، علی احسن میاں احسؔن مارہروی، نور محمد انوؔر ،سید تجمل حسین شاہ تجمل، حاؔفظ خلیل الدین حاؔفظ ، منشی دوارکا پرشاد حلم بریلوی،سید محمد طاہر علی طاؔہر،سید مسعود غوث فیؔض، منشی برجموہن کشور فیرؔوز بریلوی، اور نواب ناظم علی خان ہجؔر شاہ جہانپوری نے ۱۳۲۷ہجری جبکہ منشی محمد حسن صاحب آثؔر بدایونی نے ۱۳۲۸ھ اور منشی سید تہور علی تہوؔر ، سید محمود علی عاؔشق بریلوی، منشی ہدایت یار خان قیؔس بریلوی اور اعجاز احمد مراد آبادی (کاتب دیوان) نے ۱۳۲۶ہجری پر قطعات رقم کیے ہیں۔

ثمرِ فصاحت میں کل ایک سو نوّے (۱۹۰) غزلیں شامل ہیں، آخر میں ایک سہرا ہے جو کہ مولانا نے اپنے برادرِ اصغر مولانا رضا علی خان کی شادی پر رقم کیا اور پھر کچھ متفرق اشعار کے بعد تاریخی قطعات ہیں۔ ''قندپارسی'' جو کہ مولانا کا فارسی کلام ہے وہ بھی ''ثمرِ فصاحت'' کے آخر میں ہے۔

لالہ سری رام اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

''آپ کا عاشقانہ کلام آپ کے بعد طبع ہوا جو فی الحقیقت بہت اچھا ہے۔ صفائی، سادگی، بندش اور شوکتِ الفاظ کے علاوہ پُر درد اور موثر بھی، طرزِ بیان میں سادگی کے ساتھ تیکھا پن غضب کا ہے۔ تعقید

اور آورد کا شروع سے آخر تک نام و نشان بھی نہیں ہے۔ اکثر مصرع ثانی کی نسبت مصرع اولیٰ کے الفاظ کو الٹ پلٹ کر اس خوبی سے مصرع ثانی کا مضمون پیدا کر لیتے ہیں کہ تعریف نہیں کی جا سکتی، بول چال اور محاورات میں بھی صَرف گیری کی کم گنجائش ہے۔ الغرض آپ کا مذاقِ شعر پاکیزہ اور اُسلوبِ بیان قابلِ تعریف ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کے تلامذہ میں آپ ایک امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔''۴؎

''ثمرِ فصاحت'' کی کم یابی کی وجہ سے بعض حلقوں میں شکوک و شبہات نے راہ پائی اور طرح طرح کی قیاس آرائیاں جنم لیتی رہیں جن کا ازالہ کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ پروفیسر منیر الحق کعبیؔ اپنے مقالہ میں لالہ سری رام کے اس اقتباس کو نقل کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

''لالہ سری رام نے لکھا ہے کہ ''آپ کا عاشقانہ کلام آپ کے بعد طبع ہوا'' تو یہ حقیقت نہیں'' مزید کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں: ''یہ درست ہے کہ بہت سے شعرا کا کلام محفوظ نہیں رہا؛ ان کے مسودات گم ہو گئے، حسن بریلوی کے ساتھ بھی یہ معاملہ پیش آیا۔ مولوی عبد العزیز خان بریلوی لکھتے ہیں ''آپ کے کلام مجاز سے فضا رنگین اور نعت شریف سے ہوا معنبر۔ تین دیوان تو گم ہو گئے ثمرۂ فصاحت اور ذوقِ نعت شائع ہوئے''۵؎

اس کے بعد پروفیسر صاحب اپنا تبصرہ رقم کرتے ہیں: ''ہمارے خیال میں مولانا حسن بریلوی کے ساتھ کچھ معاملہ اور بھی ہو سکتا ہے، اس میں ممکن ہے اس پاکیزہ مسلک کا بھی ہاتھ ہو جو مولانا کو ایک غزل گو استاد کے بجائے ایک عالم دین اور نعت گو کے رُوپ میں دیکھنا چاہتا ہو۔ عبد العزیز بریلوی نے ان کے دیوان غزلیات کا نام ''ثمرۂ فصاحت'' لکھا ہے، راجا رشید محمود نے '' ثمر فصاحت''۔ ہمارا ادراک کہتا ہے کہ یہ نام ان کے نعتیہ دیوان ''ذوقِ نعت'' کی طرح تاریخی ہیں۔ ''ثمرۂ فصاحت''[۱۳۲۴ھ] اور ''ثمر فصاحت'' [۱۳۱۹ھ] بنتے ہیں اور یہ دونوں سنین ان کے وصال ۱۳۲۶ھ سے قبل کے ہیں۔ دوبارہ کلامِ حسنؔ کا نہ چھپنا بھی ہمارے مؤقف کی تائید کرتا ہے۔''۶؎

قارئینِ کرام! مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ بات روشن ہے کہ پروفیسر صاحب کے پاس ''ثمرِ فصاحت'' موجود نہیں تھا، اسی لیے وہ تبصرہ کرتے ہوئے بہت دُور نکل گئے۔ جبکہ حقیقت وہی ہے جو لالہ سری رام نے بیان کی کہ '' آپ کا عاشقانہ کلام آپ کے بعد طبع ہوا'' اگرچہ ''ثمر فصاحت'' سے ۱۳۱۹ھ بر آمد ہوتا ہے ۔ لہٰذا یہ کہنا مناسب ہو گا کہ دیوان ۱۳۱۹ھ میں ترتیب دیا گیا؛ مگر اشاعت میں تاخیر ہوتی رہی۔

پروفیسر صاحب نے مزید مولانا کی شخصیت کی دینی جہتوں اور مسلک کے حوالے سے غزلیہ دیوان کی اشاعت کی بابت جو کچھ رقم کیا، اس کا بھی حقیقت سے کچھ واسطہ نہیں۔ اس ضمن میں ہم کچھ گزارشات کرنا چاہتے ہیں:

۱۔ ''ثمرِ فصاحت''کی اشاعت مولانا حسن رضا کے وصال کے ایک سال بعد ہوئی۔

۲۔ یہ اشاعت مولانا کے صاحبزادے مولوی حکیم حسین رضا خان صاحب کی فرمائش پر ہوئی۔ چنانچہ ''ثمر فصاحت'' کے سرورق پر یہ عبارت تحریر ہے ''بفرمائش ابن اکبر حضرت مصنف مرحوم مولوی حاجی حکیم محمد حسین رضا خان صاحب قادری بوالحسینی بریلوی سلمہ المولی القوی عن شر کل غوی''۔

۳۔ اہلِ سنّت کے معروف اشاعتی ادارہ ''مطبع اہل سنت و جماعت'' بریلی سے طبع ہوا۔ چنانچہ سرورق پر تحریر ہے ''مطبع اہل سنت وجماعت بریلی میں طبع اہل عشق ہوا۔''

۴۔ ''ثمر فصاحت'' میں شامل قطعات تاریخ طباعت اوپر مذکور ہوئے یعنی ۱۳۲۶ھ، ۱۳۲۷ھ اور ۱۳۲۸ھ۔

۵۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ امام احمد رضا خان اس دیوان کی اشاعت کے بعد تقریباً بارہ تیرہ سال یعنی ۱۳۴۰ھ تک حیات رہے۔

ہمارا پروفیسر صاحب موصوف اور ان کے ہم نوا دیگر حضرات سے سوال ہے کہ کیا ''ثمر فصاحت'' کی اشاعت اوّل بفرمائش مولانا حسین رضا خان ہونا پھر اہلِ سنّت کے ممتاز ادارے مطبع اہلِ سنّت و جماعت سے ہونا (جو کہ اس وقت بد مذہبیت کے تعاقب میں پیش پیش تھا) اور پھر اعلیٰ حضرت کی حیات

میں ہونا، کیا اس سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ اس دیوان میں ایسی کوئی بات نہیں جو کہ محلّ اعتراض ہو۔ ورنہ یہ حضرات اس کو شائع نہ کرتے یا پھر اشاعت کے وقت حذف کر دیتے، یا کم از کم بعد میں ہی کوئی توضیح شائع کروا دیتے۔ مولانا حسن رضا کے احوال کی بابت تحقیق کرنے سے بھی یہ بات روشن ہے کہ مولانا اپنی دینی مصروفیات کے ساتھ ساتھ ادبی خدمات بھی سر انجام دیتے رہے، ادبی مشاعروں میں شریک ہوتے اور با قاعدہ فروغِ ادب کے لیے کوشاں رسائل و جرائد کی سرپرستی کرتے رہے ۔ چنانچہ ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیبؔ اپنے مقالے میں لکھتے ہیں:

"ان کی (یعنی مولانا کی) نگرانی اور سید محمود علی عاشقؔ کی ادارت میں ماہنامہ "بہارِ بے خزاں" اور ہفتہ وار "روزافزوں" بھی جاری ہوا، جو اس عہد کے مطابق پاکیزہ ادب پیش کرتے تھے۔"[۷]

لہٰذا مولانا کی دینی اور مسلکی خدمات کے ساتھ ساتھ ادبی خدمات کو بھی بنظرِ تحسین دیکھنا چاہیے نہ کہ ان کو مسلک کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔

۵۔ قندپارسی

مولانا حسن رضا نے اردو کے علاوہ فارسی میں بھی کلام فرمایا ہے، اگرچہ یہ نہایت مختصر ہے۔ یہ کلام "ثمر فصاحت" کے ساتھ ہی طبع ہو چکا ہے۔ ثمر فصاحت کے صفحہ نمبر ۲۰۱ سے ۲۱۸ پر موجود ہے۔ اس کلام کے مشمولات میں حضرت شاہ بدیع الدین مدار قدس سرہٗ کی منقبت، مولانا امیر خسرو کی کتاب "ہشت بہشت" پر منظوم تقریظ، مناجات بدر گاہ قاضی الحاجات، زمزمہ پیرائی عندلیب خامہ در لغت گل عذاری کہ بہار باغ فردوس جلوہ از عارض رنگین اوست، بیان شب معراج و عروج صاحب تاج، مدح مثنوی شریف اور کچھ تاریخی قطعات ہیں۔ ان قطعات میں مولانا حضرت شاہ آل رسول مارہروی، مولانا حسن رضا کے مرشد مولانا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب کے قطعات تاریخ وصال ہیں، سید برکت علی صاحب نامی تلمیذ مولانا حسن رضا کی کتاب "واسوخت"، میر کاظم حسین لکھنوی کی کتاب "غنچۂ جاوید"، قاضی خلیل الدین حاؔفظ کے نعتیہ دیوان، نواب عبد العزیز خان صاحب مرحوم کی کتاب "ترقی و تنزل کے اسباب" محمد احسان اللہ احساؔن اور محمد الیاس صاحب برؔق کے دیوان کے

قطعات تاریخ طباعت ہیں اور آخر میں سید حبیب اللہ دمشقی کا شجرۂ نسبی بھی موجود ہے، جو کہ مولانا حسن رضا نے سید صاحب کے حسبِ ارشاد تحریر فرمایا تھا۔

۶۔ساغرِ پُر کیف

مولانا حسن رضا کا ایک مختصر غزلیہ مجموعہ بنام "ساغرِ پُر کیف" کا تذکرہ بھی ملتا ہے؛ تاہم راقم کو اب تک یہ دستیاب نہ ہو سکا۔ مدیر رسالہ مسلک، ممبئ جناب محترم محمد زبیر قادری صاحب نے ڈاکٹر محمد صابر سنبھلی صاحب، مرادآباد، ہند کا ایک مقالہ "مولانا حسن رضا کی نعتیہ شاعری" (سوفٹ کاپی) بھیجا۔ جس میں جناب ڈاکٹر صابر صاحب رقم طراز ہیں:

"غزلوں کا ایک مختصر مجموعہ "ساغر پُر کیف" دستیاب ہے، ثمرِ فصاحت کمیاب ہے۔"

ڈاکٹر صاحب سے اس ضمن میں رابطہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ کلام انہوں نے کسی لائبریری میں دیکھا تھا اور یہ کلام "ثمر فصاحت" میں شامل ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی شہادت سے کم از کم یہ بات تو ثابت ہوتی ہے کہ مولانا حسن رضا کی غزلیات کا ایک مجموعہ بنام "ساغر پُر کیف" طبع ہوا تھا، گو کہ اب نایاب ہے۔ اس بات کی مزید توثیق ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ، پٹنہ کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے:

"علامہ ڈاکٹر حسن رضا خان، پی ایچ ڈی، پٹنہ کی مایۂ ناز تصنیف "فقیہِ اسلام" میں ایک اور کتاب "ساغرِ پُر کیف" کا تذکرہ ملا۔"[۸]

۷۔ نگارستانِ لطافت [۱۳۰۲ھ]

ماہنامہ تحفہ حنفیہ، پٹنہ (محرم الحرام جلد ۳، شمارہ ۲) میں اس کتاب کی اشاعتِ ثانی پر حجۃ الاسلام مفتی حامد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا، جس کو ہم یہاں نقل کر رہے ہیں:

"چمنِ مدحت سرائے مصطفوی کا عندلیب، نغمہ سرا گلشنِ نعتِ احمدی کا بلبلِ خوش نوا محب و محبوبِ جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم کے راز و نیاز کی بولتی چالتی تصویر، صحت روایات، صدقِ حکایات، حلاوتِ بیان، سلاستِ زبان میں آپ ہی اپنا نظیر جس کو عمِّ مکرم مفخم و محترم شیریں بیان جناب مولانا مولوی حسن رضا خان حسنؔ صاحب نے تصنیف فرمایا اور نظر فیض اثر شمع بزم ہدایت آئینہ ماہ رسالت حکیمِ امّت

حضرت عالمِ اہلِ سنّت استاذنا والد ماجدنا و مقتدانا و ہادینا جناب مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب ما برح بالمواہب سے نور پاکر ۱۳۰۲ھ میں ایک ہزار جلد چھپ کر شائع ہوا اور بفضلہٖ تعالیٰ قبول قبول کے سرد جھوکوں کے ساتھ خوشبو کی طرح پھیل کر دماغوں میں بسا، دلوں میں سرور، آنکھوں میں نور ہو کر اترا، عزت کے ہاتھوں نے ہاتھوں لیا۔ حتّٰی کہ ایک سال میں ایک نسخہ بھی باقی نہ بچا۔ مسوّدہ تک بعض احباب نے چھین لیا اور مشتاق نگاہوں کا انتظار آرزومند دلوں کا اضطرار فرمائشوں پر فرمائشوں کا تار روز افزوں ترقی پر ترقی کرتا رہا۔

میرے معزز کرم فرما حافظ محمد ارشاد علی صاحب مہتمم مطبع اہلِ سنّت نے مجھے اس خدمت عجاب ہم خرما و ہم ثواب کے پورا کرنے پر ابھارا۔ حضرت عمّ مکرم نے تھوڑی ترمیم کے بعد کچھ اپنا کلام اور زائد فرمایا۔ میں نے بہ نیّت معاونت مطبعِ اہلِ سنّت و جماعت بریلی بقلم جلی دبیز کاغذ پر گل کاری وغیرہ اہتمام کے ساتھ بحسنِ انتظام چھپوانا شروع کیا۔ اب کہ یہ مبارک رسالہ قریبِ اختتام ہے، مدح خوانی کے عاشقوں نعت سرائی کے شیدائیوں کو صلائے عام ہے کہ سہل افکاری کو کام میں نہ لائیں، فرمائشیں حتی الامکان جلد آئیں، پہلے کی طرح کہیں اس دفعہ محروم نہ رہ جائیں۔''

''نگارستانِ لطافت'' میلاد و معراج شریف کے بیان پر مشتمل نہایت ہی ایمان افروز رسالہ ہے۔ مولانا حسن رضا نے اولین اشاعت کے بعد کچھ ترمیم و اضافہ کے ساتھ دوبارہ شائع کروایا۔ راقم کے پیش نظر رضوی پریس، بریلی کا شائع کردہ نسخہ ہے جو کہ مولانا ابراہیم رضا خان کے اہتمام سے شائع ہوا۔ اس کے کل ۵۰ صفحات ہیں۔ اور یہ ترمیم و اضافہ سے قبل کا ہے۔ پاکستان میں یہی نسخہ مسلم کتابوی، لاہور نے پروفیسر منیر الحق کعبیؔ کے مضمون ''قوت بازوئے امام احمد رضا۔۔ مولانا حاجی محمد حسن'' کے اضافہ کے ساتھ شائع کیا۔

راقم کے پاس دوسرا نسخہ مطبعِ اہلِ سنّت و جماعت، بریلی کا شائع کردہ ہے جو کہ صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ کے اہتمام سے ۱۳۳۱ھ میں اس ادارے سے چوتھی بار طبع ہوا۔ یہ ترمیم و اضافہ والا ایڈیشن ہے، اس کے کل صفحات اندازاً ۲۷ ہیں، چونکہ یہ ناقص الآخر ہے۔

نئے ایڈیشن میں جس کلام کو مولانا حسن رضا نے خارج کیا، اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

نعتیہ غزل ''عجب رنگ پر ہے بہار مدینہ''، ''کیا مژدۂ جاں بخش سنائے گا قلم آج'' اور اعلیٰ حضرت کی نعتیہ غزل ''سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی''۔

جس کلام کا اضافہ کیا، اس کی تفصیل یہ ہے:

نعتیہ غزل ''مجرم ہیبت زدہ جب فردِ عصیاں لے چلا''، ''کہوں کیا حال زاہد گلشن طیبہ کی نزہت کا''، ''سر صبح سعادت نے گریباں سے نکالا''، پُر نور ہے زمانہ صبح شب ولادت'' اور کتاب کے آخر میں اعلیٰ حضرت کا تحریر کردہ مشہور زمانہ سلام ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام''۔ اس سلام کو نقل کرتے ہوئے مولانا نے شعر (کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی۔۔۔ آنکھ والوں کی ہمّت پہ لاکھوں سلام) کے بعد ۱۶۵ اشعار حذف کر دیے۔

پروفیسر منیر الحق کعبیؔ ''نگارستانِ لطافت'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نگارستانِ لطافت'' میں حسن بریلوی کا اسلوب متنوع پیکر اختیار کرتا ہے، ہر پیکر میں زندگی کا نورانی احساس، اپنے مرکز سے شدید وابستگی نے لفظوں میں ایک جان ڈال دی ہے، چھوٹے چھوٹے جملے اور لفظوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں لکھنے والے کی جذباتی کیفیت کی ترجمانی ہے۔ حسنؔ نے '' نگارستانِ لطافت'' میں اپنے شعری وسائل کو خوب استعمال کیا ہے، صنائع بدائع کا التزام جا بہ جا نظر آتا ہے۔ بعض اوقات مسجّع اور مقفّٰی ٹکڑے عبارت میں آتے ہیں تو شکوۂ لفظی اور جلالِ معنوی دیکھنے کے قابل ہوتا ہے؛ لیکن اگر یہی مسلسل در آتے ہیں تو وہ جوشِ خطابت تو پیدا کرتے ہیں، مگر تاثر میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور یہ قدیم اُسلوب کا خاص رنگ ہے۔ اکثر سادہ اور نثر عاری ہے۔ مولانا حسن نے اپنے اُسلوب کی انفرادیت میں اندرونی آہنگ کا بھی خاص خیال رکھا ہے۔ نثری اقتباسات کے درمیان شعر و غزل و مثنوی کے پاروں سے کام لیا ہے۔ نثری اقتباس کا آخری جملہ گریز کا کام دیتا ہے اور پھر شعری اقتباس لطف و اہتزاز کا باعث بنتا ہے۔

معراج شریف کا بیان ایک مسدس سے شروع ہوتا ہے۔ مسدس کی زبان پر انیسؔ کی زبان کا گمان ہوتا ہے۔ تشبیہات و استعارات کی جمال افروزی، الفاظ کی بندش نگینے جڑے ہوئے، سادگی، سلاست اپنے عروج پر۔ غرض حسنؔ کی شاعری اپنے حسنِ کمال پر ہے۔"[۹]

اس کتاب کی طباعت پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی، مولانا حسن رضا اور محسن کاکوری نے قطعات تاریخ طباعت رقم فرمائے جن کو یہاں نقل کیا جاتا ہے:

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی:

(۱)

یافت حسنؔ حُسنِ تحسیں ۔۔۔ از حسان در ذکرِ حسیں

گفت رضاؔ تاریخ چنیں ۔۔۔ "نعت اشرف قبلۂ

(۲)

دل و جانم حسنؔ گفت و در ۔۔۔ بہ سلکِ مدحت میلاد اقدس

شنیدم نغمہ می زد بلبل خلد ۔۔۔ "مبارک شادی نعت

مولانا حسن رضا:

(۱)

ہو گیا ختم یہ رسالہ آج ۔۔۔ شکر خالق کریں نہ کیوں کر

سنِ تالیف اے حسنؔ سن ۔۔۔ "منبع وصف شہریارِ

(۲)

یہ چند ورق نعت کے لایا ہے غلام ۔۔۔ انعام کچھ اس کا مجھے اے بحر سخا دو

میں کیا کہوں میری ہے یہ حسرت یہ ۔۔۔ میں کیا کہوں مجھ کو یہ صلا دو یہ صلا دو

تم آپ مرے دل کی مرادوں سے ہو ۔۔۔ خیرات کچھ اپنی مجھے اے بحر عطا دو

ہیں یہ سنِ تالیف فقیرانہ صدا میں ۔۔۔ "والی مَیں تصدق مجھے مدحت کی جزا دو"

محسن کاکوری:

حسنؔ کز حُسن طرزش طبع استاد ۔۔۔ بعنوانِ تخلص یوسفے گفت

زمین شعراء را عرش اعلیٰ	سر بر آرائے چرخ چار می گفت
کلام پاک او را حضرت خضر	مصفا تر ز آب زندگی گفت
بہ فیض فکر جانے در سخن ریخت	سخن در ذکر میلاد نبی گفت
نبی ہاشمی کا ندر صفاتش	خدائے پاک سبحان الذی گفت
برائے یادگار سال محسؔن	''بہارستان نعت احمدی

۸۔ دینِ حسن

اسلام کی حقانیت پر کتب ہنود و نصاریٰ سے روشن دلائل پر مشتمل یہ رسالہ مولانا حسن رضا کی تصانیف میں ایک نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ راقم کے پیش نظر مطبع اہلِ سنّت وجماعت، بریلی کا نسخہ ہے جس کو مولانا کے صاحبزادے حسنین رضا خان مدیر رسالہ ''الرضا'' نے اپنے اہتمام سے طبع کروایا، اس کے کل صفحات ۳۲ ہیں۔ یہ اشاعت مولانا حسن کے وصال کے بعد کی ہے مگر اس پر سنّ طباعت تحریر نہیں ہے۔ اوّلِ طباعت کا سن بھی دستیاب نہیں ہو سکا۔ تاہم ڈاکٹر سید عبد اللہ طارق صاحب نے اپنے مقالے میں اس رسالہ کا اندازاً سنّ طباعت ۱۸۸۰ء تحریر کیا ہے۔

پاکستان میں ایک عرصہ قبل نوری بک ڈپو نے شائع کیا تھا مگر فی الوقت یہ رسالہ موقوف الاشاعت ہے۔

ڈاکٹر سید عبد اللہ طارق نے اس رسالے پر ایک تحقیقی مضمون تحریر کیا، بعض مقامات کی توضیح و تشریح بھی کی۔ ان کا یہ تحقیقی مقالہ ماہنامہ سنّی دنیا، بریلی کے ''حسن رضا نمبر'' میں چھپ چکا ہے۔ ڈاکٹر سید عبد اللہ طارق رسالے کے بارے تحریر کرتے ہیں:

''دینِ حسن'' مولانا نے عیسائی اور ہندو حضرات کے اعترافات کا ایک ایسا انتخاب یک جا کر دیا ہے جو ایک طرف مومنین کے لیے باعثِ تقویتِ ایمان ہے تو وہیں دوسری جانب ان شاء اللہ مخالفانِ اسلام کے لیے ایک زبردست حجت ثابت ہو گا، بشرطیکہ اس رسالے کو ہندی اور انگریزی زبانوں میں ترجمہ کر کے غیر مسلموں تک پہنچانے کی کماحقہٗ کوشش کی جائے۔ مرحوم نے پیغام پہنچا دیا، سننے والوں پر واجب کہ اسے آگے پہنچائیں اور ہدایت قبول کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ غیر مسلم قارئین کی توفیق پر چھوڑ دیں۔''

علامہ مولانا محمد افروز قادری زید شرفہٗ تحریر فرماتے ہیں:

''دینِ حسن' نامی اس کتاب کا چرچا میں نے بھی بارہا سن رکھا تھا؛ مگر کبھی شرفِ مطالعہ اس لیے نصیب نہ ہوسکا کہ کہیں ہاتھ ہی نہ لگی۔ اَب جب کہ مدتوں بعد ہاتھ آئی ہے تو جی چاہتا ہے کہ 'یوسف گم گشتہ' کی طرح سینے سے چمٹائے رکھوں، کسی صورت اسے چھوڑنے کو دل نہیں چاہ رہا۔ 'دینِ حسن' کیا ہے؟ اپنے موضوع پر اِسے بالکل اکلوتی کتاب سمجھیں۔ یہ حرف حرف حقیقت تو ہے ہی، اپنے اندر قطرہ قطرہ قلزم کی شان بھی رکھتی ہے۔ پڑھیں تو پڑھتے چلے جائیں اور دین کے حسن بے پناہ میں کھو کھو جائیں۔ جس عقلی اور سائنسی نہج پر علامہ حسن رضا بریلوی نے یہ کتاب تالیف فرمائی ہے وہ خاص انھی کا حصّہ ہے، اور خانوادۂ رضویت ہی کے کسی سپوت سے اُس کی توقّع بھی کی جاسکتی تھی۔ اگر آج ہمارے مصنّفین دعوتِ دین کے لیے 'دینِ حسن' کا سا من موہنا، اچھوتا اور دل چھوتا اُسلوب اپنالیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اُن کی باتیں تاثیر کا تیر بن کر لوگوں کے ذہن وفکر میں نہ اُتریں، اور دین کی صحیح قدریں فروغ پذیر نہ ہوں!۔'' (مکتوب بنام راقم)

۹۔''الرائحة العنبرية من المجمرة الحيدرية''''المعروف بہ تُزک مرتضوی''[۱۳۰۰ھ]

ردِّ تفضیل پر مولانا حسن رضا کی ایک نادِر و نایاب تالیف ہے۔ اس کے دونوں نام تاریخی ہیں''الرائحة العنبريه من المجمرة الحيدرية'' سے سن ۱۳۰۰ہجری اور ''تزکِ مرتضوی'' سے عیسوی سن ۱۸۸۳ء برآمد ہوتا ہے۔ پہلی بار مطبع جماعت تجارت اسلامیہ، میرٹھ سے طبع ہوئی اور غالبًا دوبارہ شائع نہ ہوئی۔ ایک طویل عرصۂ گمنامی کے بعد سن ۲۰۱۱ء میں علامہ محمد افروز قادری صاحب کی ترتیب و تخریج وتحشیہ کے ساتھ راقم نے پاکستان میں شائع کی۔ جدید اشاعت ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے جو کہ مکتبۂ اعلیٰ حضرت، لاہور سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

اس کتاب میں مولانا نے افضلیتِ شیخین پر کلام فرمایا ہے اورآیاتِ قرآنیہ و احادیثِ نبویہ کے ساتھ اکابر علما و صوفیا کے اقوال سے مسلکِ حقّہ اہلِ سنّت کی تشریح فرمائی اور فرقۂ تفضیلیہ کو دعوتِ فکر پیش فرمائی۔ کتاب کے آخر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تصنیف ''مطلع القمرین فی ابانة سبقة

العمرین“ سے ”تبصرۂ سابعہ“ کا کچھ حصّہ نقل کیا جس میں مولائے کائنات علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے اٹھارہ (۱۸) خصائص کو بیان کیا گیا ہے۔

سرورق پر یہ عبارت تحریر ہے:

”الحمدللہ کہ در فضائل علیہ جناب مولیٰ علی رضی اللہ عنہ مع بعض دلائل مختصر و عام فہم مسئلہ تفضیل حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایں رسالۂ سیف قاطع و برق لامع مسمّٰی بنام تاریخی ”الرائحة العنبرية من المجمرة الحيدرية“ [۱۳۰۰ھ] ملقب بلقب مشعر سال عیسوی اعنی ”تزک مرتضوی“ [۱۸۸۳ء] از تالیف لطیف جناب مولوی حسن رضاخان صاحب حسنؔ قادری برکاتی ابوالحسینی بریلوی بفرمائش جناب مولوی غلام شبر صاحب قادری برکاتی ابوالحسینی بدایونی۔“

حیاتِ اعلیٰ حضرت جلد دوم صفحہ ۴۴ پر اس کتاب کو اعلیٰ حضرت کی تصنیف شمار کیا ہے۔ تصانیفِ اعلیٰ حضرت میں اس کا نمبر شمار ۳۰۵ درج ہے۔ مزید صفحہ نمبر ۱۴۸ پر ردِّ نواصب کے عنوان کے تحت اعلیٰ حضرت کی تصنیف کے طور پر بیان کیا ہے۔ مزید صفحہ نمبر ۲۰۶ پر ”ردِّ تفضیلیہ“ کے عنوان سے سات تصانیف کے نام لکھے، جن میں سے ایک ”الرائحة العنبرية من المجمرة الحيدرية“ المعروف بہ ”تزک مرتضوی“ ہے۔

۱۰۔ بے موقع فریاد کے مہذب جواب [۱۳۱۲ھ]

یہ کتاب پنڈت بشن نرائن کی کتاب ”انگریزوں سے ہندوستانیوں کی فریاد“ کے رد میں تحریر کی گئی اور ”بے موقع فریاد کے مہذب جواب“ کے تاریخی نام سے مطبع نظامی، بریلی سے طبع ہوئی۔ پنڈت بشن نرائن نے اپنی کتاب میں گاؤ کشی کے متعلق اسلامی نظریہ پر اعتراضات کیے جس کا تفصیلی جواب اس کتاب میں دیا گیا ہے۔ سرورق پر مصنّف کا نام یوں تحریر ہے: ”جناب مولوی نصیر الدین حسن خان صاحب“

مولانا حسن رضا کے لیے ”نصیر الدین“ کا لقب کہیں نظر سے نہیں گزرا۔ تاہم مولانا حسن رضا پر مقالات رقم کرنے والے تبصرہ نگاران نے اس کتاب کو مولانا حسن رضا کی تصانیف میں شمار کیا ہے۔ مزید مولانا کے دیوان ”ثمرِ فصاحت“ کے آخر میں مولانا کی تصانیف کی فہرست دی گئی ہے اس میں اس کتاب

کا نمبر شمار تین (۳) ہے۔ مولانا حسرت موہانی نے بھی مولانا حسن کی تصانیف میں اس کو تیسرے نمبر پر درج کیا اور کچھ آگے جا کر لکھا "ان میں ابتدائی چھ کتابیں آپ کے زمانۂ حیات میں چھپ کر مقبولِ خاص وعام ہو چکی تھیں۔"[۱۰]

۱۱۔ فتاویٰ القدوہ لکشف دفین الندوہ [۱۳۱۳ھ]

یہ فتویٰ ۱۳۱۳ ہجری میں نادری پریس، بریلی سے چھپا۔ سرورق پر " بسعی و تالیف جناب مولانا مولوی محمد حسن رضا خان صاحب قادری برکاتی ابوالحسینی بریلوی سلمہ اللہ" تحریر ہے۔ مزید فتوی کا تعارف یوں پیش کیا گیا ہے:

"الحمدللہ فتوائے مسمّٰی بنام تاریخی "فتاوی القدوہ لکشف دفین الندوہ"[۱۳۱۳ھ] جس پر علمائے بمبئی، الہ آباد، دہلی و مراد آباد ورام پور وبدایوں وبریلی و پھپھوند ومارہرہ شریف وغیرہم کے پچاس سے زائد مہر و دستخط ثبت ہیں۔ ان فتاوی کو مولوی لطف اللہ صاحب علی گڑھی نے بھی نہایت حق و صحیح بتایا۔ حواشی میں ندوہ کی کتب رُوداد سے ہر قول کا نشان صفحہ وسطر دے دیا گیا ہے۔ اپنے دینی بھائیوں حضرات اہلِ سنّت سے اسلام وسنّت کا واسطہ دے کر معروض کہ خدارا ایک ذرا نظر انصاف سے ملاحظہ ہو۔ ندوہ کے جو اقوال اس کی چھپی ہوئی کتابوں سے نقل کیے ہیں اگر ان میں شک ہو، صفحہ وسطر کا نشان موجود ہے، مطابق فرمالیں اور جب وہ اقوال اس میں موجود ہیں تو ان پر جو احکام علمانے ارشاد فرمائے، ملاحظہ ہو جائیں، جن سے آفتاب کی طرح روشن کہ کتبِ ندوہ میں مذہبِ اہلِ سنّت سے کس قدر مخالفتیں واقع ہوئیں۔

للہ انصاف! اگر ہم فقرا محض بنظرِ خیر خواہی ندوہ ان خرابیوں سے اسے پاک کرنے اور سچا ندوۂ علمائے اہلِ سنّت بنانے کی درخواست کرتے ہیں کیا گناہ کرتے ہیں!!! ندوہ کو اگر یہ فتاوائے علما مقبول نہیں پہلے انہیں سوالوں کا خود منصفانہ جواب مطابقِ مذہبِ اہلِ سنّت عنایت کرے۔ کتبِ ندوہ میں اس قسم کی خرابیاں بکثرت ہیں۔ یہ سوالات صرف بطورِ نمونہ ہیں۔ اگر ندوہ نے ان سے عہدہ برائی کرلی اور سوال حاضر کیے جائیں گے یہاں تک کہ یا ہم سمجھ لیں یا ندوہ کو خدا پاک کردے۔"

حیاتِ اعلیٰ حضرت جلد دوم صفحہ ۲۴۳ اور ۲۰۲ پر اس کتاب کو اعلیٰ حضرت کی تصنیف شمار کیا ہے۔
"المجمل المعدد لتالیفات المجدد" میں اس کا نمبر شمار ۱۲۷ درج ہے۔

۱۲۔ آئینۂ قیامت

واقعاتِ کرب وبلا کے دل کش اور نہایت موثر بیان پر مشتمل، دلائل و براہین سے مزیّن تصنیف ہے۔ پاک وہند میں اب تک اس کے کئی ایڈیشنز چھپ چکے اور قبولیتِ عامہ پا چکے ہیں۔ حال ہی میں دعوتِ اسلامی کے ادارہ المدینۃ العلمیہ نے اس رسالے کو جدید ترتیب و تخریج کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس سے قبل مکتبۂ رضویہ، لاہور کے مؤسس جناب ظہور الدین امرتسری نے الیکٹرک پریس، بریلی کے مطبوعہ نسخہ کو مجاہد ملت جناب مولانا عبد الستار نیازی علیہ الرحمۃ کی ترتیب و تحشیہ سے شائع کرنے کا اہتمام کیا۔ مولانا عبد الستار نیازی نے "پیغامِ حیات" کے عنوان سے ۹۲ صفحات پر مشتمل نہایت مبسوط اور جامع مقدمہ تحریر کیا جو کہ اصل کتاب کے سائز سے بڑھ کر ایک الگ کتاب کی حیثیت اختیار کر گیا۔ راقم کے پیش نظر الیکٹرک پریس بریلی کا بار نہم (۵۶ صفحات) اور حسنی پریس، بریلی بار ششم (۴۸ صفحات) کے ایڈیشن ہیں۔ مؤخر الذکر رسالہ مولانا حسنین رضا خان کی تصحیح و اہتمام سے طبع ہوا۔

آئینۂ قیامت کے علمی و تحقیقی معیار کی توثیق خود امامِ اہلِ سنّت نے فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی صاحب نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے عرض کیا کہ محرم کی مجالس میں جو مرثیہ خوانی ہوتی ہے سننا چاہیے یا نہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "مولانا شاہ عبد العزیز صاحب کی کتاب جو عربی میں ہے وہ یا حسن میاں مرحوم میرے بھائی کی کتاب " آئینۂ قیامت "میں صحیح روایات ہیں، انہیں سننا چاہیے۔"[۱۱]

مفتیِ اعظم ہند مصطفیٰ رضا خان نوری علیہ الرحمۃ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں "آئینۂ قیامت تصنیفِ حضرت عمی جناب استادِ زمن حسن رضا خان حسنؔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، یہ کتاب اعلیٰ حضرت کی دیکھی اور مجالس میں کتنی ہی بار سنی ہوئی ہے۔[۱۲]

آئینۂ قیامت کے سرقہ کی پُراسرار داستان:

ماہنامہ دین و دنیا، دہلی کے ایڈیٹر مفتی شوکت علی فہمی نے ''آئینۂ قیامت'' میں تحریف و ترمیم کی اور کچھ اپنی طرف سے مضامین کا اضافہ کر کے ''داستان کربلا'' کے نام سے شائع کیا۔ اس جدید اشاعت میں اس نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات بابرکات پر کیچڑ اچھالنے کی مذموم سعی کی جو کہ مسلکِ اہلِ سنّت کے سراسر منافی ہے۔ ماہنامہ دین و دنیا، دہلی میں ''داستانِ کربلا'' کا اشتہار پاکر علامہ سبطین رضا خان نے اس کا مطالعہ کیا اور اس مذموم سازش کو بے نقاب کرتے ہوئے ایک مفصل مضمون تحریر فرمایا جو کہ ماہنامہ اعلیٰ حضرت، ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔ بعد ازاں یہی مضمون مولانا جنید رضا خان کے توضیحی نوٹ کے ساتھ ماہنامہ سُنی دنیا، بریلی کے حسن رضا نمبر، ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا۔

اس کے علاوہ بھی آئینۂ قیامت میں کچھ ترمیم و اضافہ ناشرین کی کرم فرمائی سے ہوتا رہا۔ چنانچہ مدیر سنی دنیا شہاب الدین رضوی صاحب لکھتے ہیں:

''راقم السطور نے جب قدیم اور جدید نسخوں کا تقابل کیا تو یہ بات بالکل صاف ہوگئی کہ مولانا حسن رضا قدس سرہ کی تصنیف ''آئینہ قیامت'' میں کچھ اشعار کسی شاعر کے شامل کر دیے گئے ہیں؛ یہ حرکت ناشر کی طرف سے ہوئی۔ پہلی بار کتاب جماعت رضائے مصطفیٰ کے زیرِ اہتمام حسنی پریس، بریلی سے مولانا حسنین رضا خان بریلوی کی تصحیح سے شائع ہوئی؛ دوبارہ بریلی کے مشہور میلاد خواں صوفی عزیز صاحب نے شائع کی تیسری بار قومی کتب خانہ، بریلی نے شائع کی۔ پہلا اور تیسرا ایڈیشن راقم السطور کے پیش نظر ہے۔ تیسرے ایڈیشن میں کسی دوسرے کے اشعار سامنے آئے جس سے بڑی حیرت ہوئی، فوراً ہی جاکر مینیجر قومی کتب خانہ بڑا بازار سے دریافت کیا تو انہوں نے دوسرے ایڈیشن کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اس میں ایسی بات ہے اس لئے ہم نے کوئی کمی بیشی نہیں کی ہے، صرف اس کا عکس کرا لیا ہے۔ تیسرے ایڈیشن میں سرورق پر مصنف کی طرف سے ایک نوٹ بھی لگا ہوا ہے جبکہ یہ نوٹ پہلے ایڈیشن میں نہیں ہے۔''[۱۴]

۱۳۔ ہدایتِ نوری بجواب اطلاعِ ضروری

مولانا حسن رضا کی تصانیف میں کسی بھی تذکرہ نگار نے اس کو شمار نہیں کیا۔ یہ راقم کی طرف سے اضافہ ہے۔ تاہم کچھ محققین نے ''قہر الدیان علی مرتد بقادیان'' کو مولانا حسن رضا کی تصانیف میں ذکر کیا ہے اور بعض محققین نے اسے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کی تحریر شمار کیا ہے جیسا کہ حیاتِ اعلیٰ حضرت جلد دوم صفحہ ۳۴۴ پر ہے۔ تصانیف اعلیٰ حضرت میں اس کا نمبر شمار ۲۲۴ درج ہے۔ اس کے علاوہ ص ۱۴۲ پر رد قادیانیت میں تصانیف اعلیٰ حضرت کی فہرست میں بھی اس کا نام درج ہے۔ پھر فتاوٰی رضویہ مخرّجہ کی جلد ۱۵ میں یہ رسالہ شامل ہے۔ ادارۂ تحفظ عقائد اسلامیہ، کراچی کی طرف سے شائع کردہ ''عقیدۂ ختم نبوت'' کی جلد ثانی میں بھی یہ رسالہ اعلیٰ حضرت کی تصنیف کے طور پر شامل ہے۔

قہر الدیّان علی مرتدٍبقادیان کس کی تصنیف ہے؟ اس ضمن میں عرض ہے کہ '' قہر الدیان علی مرتد بقادیان'' کو اعلیٰ حضرت یا مولانا حسن رضا کی تصنیف قرار دینا درست نہیں؛ کیونکہ یہ کسی تصنیف کا نام نہیں بلکہ رد قادیانیت میں مولانا حسن رضا خان کی طرف سے جاری کردہ ماہنامہ ہے۔ چونکہ رسالہ ۱۳۲۳ھ میں جاری ہوا، اس لئے مولانا حسن رضا نے اسی مناسبت سے ایک تاریخی نام کا انتخاب فرمایا۔ راقم کے پاس اس رسالے کا عکس موجود ہے جو کہ خانوادۂ قادریہ، بدایوں سے علامہ اُسید الحق صاحب نے عنایت کیا۔ اس کے علاوہ اس رسالے کا ایک نسخہ محکمۂ آثارِ قدیمہ، کراچی کے میوزیم میں بھی موجود ہے۔ اس کے آخری صفحہ پر مولانا حسن رضا کی طرف سے جاری کردہ دس (۱۰) نکات پر مشتمل اشتہار ہے جس میں اس ماہنامہ کی شرائط وضوابط تحریر ہیں ان میں سے پہلی یہ ہے ''یہ رسالہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہر قمری مہینہ میں ایک بار شائع ہو گا'' کچھ دیگر شرائط متعلقہ رکنیت سازی، زرِ معاونت کی بابت تحریر ہیں اور نمبر ۵ پر مولانا حسن رضا اس رسالے کے اجرا کا مقصد تحریر فرماتے ہیں:

''اس رسالے کا مقصد صرف مرزا و مرزائیان کارد اور ان کے ان ناجائز حملوں کا دفع ہو گا جو انہوں نے عقائد اسلام و انبیائے کرام خصوصًا سیدنا عیسیٰ و حضرت مریم و خود حضور سید الانام علیہ و علیہم الصلاۃ

والسلام حتّٰی کہ رب العزت ذوالجلال والاکرام پر کیے ہیں، دوسرے فرقوں کا رد اس کا موضوع نہیں۔ اس کے لئے بعونہٖ تعالیٰ مبارک رسالہ تحفۂ حنفیہ عظیم آباد نیز اہلِ سنّت کی اور کتب کافی ووافی ہیں۔"

مزید یہ کہ اس رسالے کے سرورق پر رسالے کے نام کے ساتھ دائیں بائیں دو(۲ (بار "ماہوار" تحریر ہے۔ مزید سرورق پر یہ عبارت تحریر ہے:

"الحمدللہ مبارک ماہواری رسالہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخالف پر قہر الٰہی ڈھانے والا، عیسیٰ مسیح کلمۃ اللہ کے دشمن پر تیغ عذاب چمکانے والا، جھوٹے مسیح مرزا قادیانی اور اس کے الہام و وحی شیطانی کی بنیاد گرانے والا، محمدی فتح کے پھریرے اڑاتا، اسلامی شان کے نشان چمکاتا۔"

مزید تحریر ہے: "زیرِادارت ماحیِ بدعت حامیِ سنّت مولانا مولوی محمد حسن رضا خان سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی سلمہ"

اندرونِ صفحہ پر رسالے کے اجرا میں معاونت کرنے والے حضرات کے اسمائے گرامی کی فہرست ہے جن کی تعداد تقریباً ۸۵ ہے۔

عربی خطبے کے بعد مولانا حسن رضا کا اداریہ ہے، جس کا کچھ حصّہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

"یہ ایک غیبی تحریک ہوگئی جس نے اس ارادۂ رسالہ کی سلسلہ جنبانی فرمادی۔ اشتہار کا جواب اشتہاروں میں دیا گیا مناظرہ کے لئے ابکار افکار مرزا قادیانی کو پیام دیا، اس کے ہولناک اقوال ادعائے رسالت ونبوت وافضلیت من الانبیاء وغیرہا کفر وضلال کا خاکہ اڑایا، گالیوں کے جواب میں گالی سے قطعی احتراز کیا۔ صرف اتنا دکھایا کہ تمہاری گالی آج کی نرالی نہیں، قادیانی تو ہمیشہ سے اللہ ورسول وانبیائے سابقین وائمہ دین سب کو گالیاں سناتا رہا ہے، ہر عبارت اس کی کتابوں سے بحوالۂ صفحہ مذکور ہوئی۔ مضمون کثیر تھا متعدد پرچوں میں اشاعت منظور ہوئی۔ "ہدایتِ نوری بجواب اطلاع ضروری" نام رکھا گیا۔ اس میں دعوت مناظرہ شرائط مناظرہ طریق مناظرہ مبادی مناظرہ سب کچھ موجود ہے۔ اس مختصر تحریر نے اپنی سلک منیر میں متعدد سلاسل لئے سلسلۂ دشنامہائے قادیانی بر حضرت ربانی ورسولان رحمانی ومحبوبان یزدانی سلسلۂ کفریات وضلالات قادیانی سلسلۂ تناقضات وتہافتات قادیانی سلسلۂ دجالی وتلبیسات

قادیانی سلسلۂ جہالات و بطالات قادیانی سلسلۂ تاصیلات سلسلۂ سوالات اور واقعی وقتی ضرورات مختلف مضامین پر کلام کی مقتضی ہوتی ہیں اور اس کے اکثر رسائل الٹ پھیر کر انہیں ڈھاک کے تین پات کے حامل لہٰذا ہر رسالے کے جداگانہ رد سے انہیں سلاسل کا انتظام احسن واولیٰ۔

اب بعونہٖ تعالیٰ اسی "ہدایتِ نوری" سے ابتدائے رسالہ ہے اور مولیٰ تعالیٰ مدد فرمانے والا ہے۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً رسائل و مضامین میں حسب حاجت اندراج گزیں مناسب کہ جو کلام جس سلسلے کے متعلق آتا جائے بہ شمار سلسلہ اسی کی سلک میں انسلاک پائے جو نیا کلام ان سلاسل سے جدا شروع ہو، اس کے لئے تازہ سلسلہ موضوع ہو۔ اعتراضات کے تازیانے جن کا شمار خدا جانے اوّل تا آخر ایک سلسلے میں منضود اور ہر اعتراض حاشیہ پر تازیانہ یا اس کی علامت "ت" لکھ کر جدا معدود۔ مسلمانوں سے تو بفضلہٖ تعالیٰ یقینی امید مدد و موافقت ہے؛ مرزائی بھی اگر تعصب چھوڑ کر خوفِ خدا اور روزِ جزا سامنے رکھ کر دیکھیں تو بعونہٖ تعالیٰ امیدِ ہدایت ہے۔"

اس قدر طویل اقتباس نقل کرنے کا مقصد "قہر الدیان علی مرتد بقادیان" کی حیثیتِ واقعی کو واضح کرنا تھا۔ مولانا حسن رضا کے اس اداریہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ "ہدایتِ نوری بجواب اطلاعِ ضروری" مولانا حسن رضا کی تصنیف ہے جو کہ اس رسالے میں قسط وار شائع ہوئی۔ ابھی تک اس رسالے کا صرف پہلا شمارہ ہی دستیاب ہو سکا ہے۔ پہلی قسط کے اختتام پر آئندہ آنے والی قسط کی بابت یوں تحریر ہے: "فصل دوم: علی مرتضیٰ و امام حسن و امام حسین و فاطمہ زہرا اور خود محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیہم وسلم پر قادیانی کی گالیاں۔۔باقی آئندہ"۔

۱۴۔ ندوہ کا تیجہ رُودادِ سوم کا نتیجہ [۱۳۱۴ھ]

یہ کتاب مشتملہ ۶۱ صفحات مطبع اہلِ سنّت و جماعت، بریلی سے ۱۳۱۴ھ میں طبع ہوئی۔ سرورق پر یہ عبارت تحریر ہے:

"الحمدللہ یہ مبارک رسالہ جس میں بہت روشن و دل پسند و عام فہم و سود مند بیان سے ظاہر کیا ہے کہ ندوہ کا اصل مقصد کیا ہے اور اس دعوتِ اتّحاد و اتّفاق کی کس خیال پر بنا ہے، اس ندوہ اخیر کو ندوہ سابقہ

دارالندوہ سے علاقہ کتنا ہے۔ آخر میں ندوہ کی مختصر رُوداد سوم کی نامہذب دشناموں باطل اتہاموں کے معقول جواب مظہر صواب (تحریر ہیں۔)"

سرورق پر مولانا حسن رضا کا نام یوں تحریر ہے: "مداحِ مصطفیٰ خادم الاولیا صاحب طبع نقاد و ذہن وقاد جناب مولانا مولوی محمد حسن رضا خان صاحب حسنؔ قادری برکاتی ابُوالحسینی سلمہم اللہ عن الافات والمحن"

حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم صفحہ ۴۵ اور ص ۲۰۲ پر اس کتاب کو اعلیٰ حضرت کی تصنیف شمار کیا ہے۔ تصانیف اعلیٰ حضرت میں اس کا نمبر شمار ۳۱۸ درج ہے۔

۱۵۔ اظہار رُوداد [۱۳۲۲ھ]

دارالعلوم "منظر الاسلام" کی پہلے سال کی رُوداد ہے جو کہ مولانا حسن رضا کی ترتیب سے ۱۳۲۲ھ میں مطبع اہلِ سنّت، بریلی سے شائع ہوئی۔ اس رُوداد میں مدرسہ کے ساتھ تعاون کرنے والے مخیر حضرات کے اسمائے گرامی درج ہیں اور مدرسہ سے جاری ہونے والے آٹھ عدد فتاوٰی شامل ہیں۔

اس رسالے کا مکمل عکس ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی کے "صد سالہ فتاوی منظر الاسلام نمبر" (تیسری قسط) میں موجود ہے۔

۱۶۔ کوائف اخراجات [۱۳۲۳ھ]

یہ "منظر الاسلام" کے دوسرے سال کی رُوداد ہے، اس میں دوسرے سال کی آمدنی اور خرچ کی تفصیلات ہیں۔ نیز کلاس وار طلباء کی تعداد اور زیر درس کتابوں کی نشان دہی، اساتذہ و ممتحن حضرات کے اسمائے گرامی بھی درج ہیں۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ اس رُوداد پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"اس روئداد سے منظر الاسلام کے نصاب کا پتا چلتا ہے، نصاب میں جہاں منطق کی کتب میر زاہد، ملاجلال، ملاحسن، حمد اللہ، قاضی مبارک، شرح سلم، بحر العلوم، فلسفہ میں میبذی اور علم ہئیات میں تصریح وغیرہ کتب شامل ہیں، شفاء شریف اور مسند امام اعظم بھی شامل نصاب ہیں جنہیں آج بھی

شامل نصاب کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح فارسی کی متعدد کتب تعلیم عزیزی، اخلاق محسنی، انوار سہیلی، گلزارِ دبستاں (حصّۂ اوّل)، رُقعات، مظہر الحق وغیرہ شامل ہیں۔"[۱۴۱]

روئداد کے صفحہ نمبر ۵۱ پر مولانا شاہ سلامت اللہ رام پوری منتظم مدرسہ مولانا حسن رضا کی بابت تحریر فرماتے ہیں:

"ہمت عالی اور توجہ خاص منتظم دفتر جناب مولانا حسن رضا خان صاحب دام مجد ہم سے اُمید کامل ہے کہ اس مدرسہ مبارکہ سے جس کی نظیر اقلیم ہند میں کہیں نہیں ہے، ایسے برکات فائض ہوں جو تمام اطراف و جوانب کی ظلمات اور کدُورات کو مٹائیں اور ترویج عقائدِ حقّہ مُنیفہ اور ملّتِ بیضاء شریفہ حنیفہ کے لئے ایسی مشعلیں روشن ہوں جن سے تمام عالم منور ہو۔"

اس رُوداد کے کل ۵۲ صفحات ہیں، مولانا حسن رضا کی ترتیب سے مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی سے طبع ہوئی۔

۱۷۔ سوالات حقائق نمابر رؤس ندوۃ العلماء [۱۳۱۳ھ]

سوالات حقائق نمابر رؤس ندوۃ العلماء، ۱۹ر رمضان المبارک ۱۳۱۳ہجری میں نادری پریس، بریلی سے مولانا حسن رضا کی تقدیم کے ساتھ طبع ہوئی۔ سرورق پر مؤلف کا نام بھی "حسن رضا خان قادری برکاتی بریلوی غفرلہ" تحریر ہے۔ مزید سرورق پر کتاب کا تعارف تحریر ہے:

"اس میں ستر (۷۰) سوالات ہیں کہ محض بنظرِ خیر خواہی ندوہ و حفظِ مذہبِ اہلِ سنّت حضرت ماحیِ فتن حامیِ سنن خادمِ شرع و ملّت عالمِ اہلِ سنّت جناب مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب محمدی سُنّی حنفی قادری برکاتی دامت فیوضہم نے خود ندوہ کی خواہش و درخواست پر پیش فرمائے اور باوصف بار بار کثیر تقاضوں کے لاجواب رہے۔ ان سوالات سے ہر سُنّی کو واضح ہو گا کہ سوئے اتفاق سے ندوہ کی کارروائیوں تحریروں تقریروں میں کتنی باتیں مضر و مخالفِ مذہبِ اہلِ سنّت واقع ہوئیں، جن کی اصلاح اور مذہبِ حق کی پابندی ندوۃ العلما کا پہلا فرض ہے۔ بنظر خیر خواہی مکرراً معروض کہ ندوہ یا تو سچے انصاف سے عالمانہ جواب دے ورنہ سچی پابندی مذہبِ اہلِ سنّت اختیار کرے۔ وباللہ التوفیق"

اس مکتوب کو ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے مولانا حسن رضا کی تقدیم کو حذف کرتے ہوئے مکاتیبِ رضا کی جلدِ دوم صفحہ نمبر ۱۲۷۔۱۰۷ پر نقل کیا ہے۔

مآخذ و مراجع

۱۔ ماہنامہ سُنّی دنیا، مولانا حسن رضا نمبر 1994ء، صفحہ 16۔

۲۔ نعت رنگ، جلد 18، امام احمد رضا نمبر، ص 627۔

۳۔ حیاتِ صدر الشریعہ: ۳۸ مطبوعہ رضا اکیڈمی، لاہور۔

۴۔ روایت کی اہمیت، از ڈاکٹر عبادت بریلوی، صفحہ ۲۶۵۔

۵۔ تاریخ روہی لکھنؤ مع تاریخ بریلی: ۲۸۷ مطبوعہ مہران اکیڈمی، کراچی۔

۶۔ نگارستان لطافت: ۱۳ مطبوعہ مسلم کتابوی، لاہور۔

۷۔ ماہنامہ سنّی دنیا، مولانا حسن رضا نمبر: ۱۰۔

۸۔ ماہنامہ سنّی دنیا، حسن رضا نمبر، صفحہ: ۴۷۔

۹۔ نگارستان لطافت: ۲۷ مطبوعہ مسلم کتابوی، لاہور۔

۱۰۔ ماہنامہ سنّی دنیا، حسن رضا نمبر، صفحہ: ۸ بحوالہ اردوئے معلّٰی۔

۱۱۔ الملفوظ حصّۂ دوم: ۱۰۰۔

۱۲۔ فتاوٰی مصطفویہ: ۴۶۳ مطبوعہ شبیر برادرز، لاہور۔

۱۳۔ ماہنامہ سنی دنیا: مولانا حسن رضا نمبر، صفحہ: ۱۵۹۔۱۵۸۔

۱۴۔ ماہنامہ اعلیٰ حضرت، منظر الاسلام نمبر۔ قسط دوم: ۵۶۔

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی اور برِّصغیر کی سیاسی تحریکات

ڈاکٹر محمد حسن امام
وفاقی اردو یونیورسٹی، کراچی، پاکستان
ای میل: dr.hassanimam77@yahoo.com

Abstract: Undoubtedly, coming in being of Pakistan was a great event. It was an astonishing revolution according to its effect & conclusions. Actually, Pakistan was neither made because of any need of time & expedience nor a support of any party (Person) or Power and result of conspiracy. But it was achievement of continuous mental and intellectual & practical efforts. Further it was a logical result of continuous events & situation after 1857. Then there is not only a single moment, so many moments and activities were behind this revolution. But this is the reality that religious, political, traditional, cultural, social, economical, psychological activities were also behind the aim of Pakistan was never only to divide Hind. The Muslims have their own culture and their own civilization. Hence the Muslims should get a state in the Muslim majority areas where they may be able to cultivate their religious and moral tradition. In 1925 the all India Sunni Conference took place at Muradabad. According to its plan the Muslim majority provinces of the sub-continent were to be made a separate unit with a Muslim Government. Quaid-e-Azam Muhammad Ali Jinnah, other national leaders and party Mashaikh and Scholars were regularly informing about the aim and cause of Pakistan. So surprising is it that whatever is still written about foundation of Pakistan, are all one sided. The historians did not follow the correct rules of chronology and seemed clearly Partial, their thoughts and view, belief and narrow mind, while narrating facts. Especially Scholars are commemorated in Freedom Movement, although history should be free of effect of creed and faith. But to upgrade one who is of their own School of thought and degrade and neglect one who is not of their creed or faith, this way of thinking is very much partial and in-chronological.

However is still written in Jihad movement and paksitan movment are all one sided and this is a remorseful and astonishing matter that in which those scholars are posed as actual heroes who were againgst the Pakistan movement and scholors of ahl-e-sunnat epecially Maulana Shah Ahmed Raza Khan Barelwi and other are often neglected.

This is a historical event that ulama and scholars specialy Shah Ahmad Raza Khan and his Khulafa, Students and lovers are net mentioned in any of the books which are written regarding Pakistan movement. Therefore it is necessary to inform the Islamic nations about the other views and directions of history.

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ[۱] مذہبیات کے علاوہ سیاست میں بھی بڑی بصیرت رکھتے تھے، اس لیے کہ وہ ایک عظیم مدّبر بھی تھے۔ ان کے مندرجہ ذیل محققانہ رسائل نے سیاستِ ملّیہ میں اہم کردار ادا کیا اور سیاست دانوں کی رہنمائی کی ہے۔ آپ اگرچہ تحریکِ پاکستان کے وقت باحیات نہیں تھے؛ لیکن آپ اپنے پیچھے اپنے خلفاو تلامذہ اور مریدین و محبّین کی ایسی کثیر تعداد چھوڑ گئے، جنہوں نے تحریکِ پاکستان میں ہر اوّل دستے کا کردار ادا کیا اور یہ حضرات آپ ہی کے افکار پر کام کر رہے تھے۔ ہم ذیل میں ان رسالوں کا ذکر کر رہے ہیں جن سے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مدبّرانہ سیاست واضح ہوتی ہے:

۱۔ اَنْفَسُ الْفِکَرْ فِیْ قُرْبَانِ الْبَقَرْ (۱۲۹۸ھ)

۲۔ اِعْلَامُ الْاَعْلَامِ بِاَنَّ ھِنْدُسْتَانَ دَارُالْاِسْلَامْ (۱۳۰۶ھ)

۳۔ تدبیرِ فلاح و نجات و اصلاح (۱۳۳۱ء)

۴۔ دَوَامُ الْعَیْشْ فِی الْاَئِمَّةِ مِنْ قُرَیْشْ (۱۳۳۹ھ)

۵۔ اَلْمَحَجَّةُ الْمُؤْتَمِنَةُ فِیْ اٰیَةِ الْمُمْتَحِنَةْ (۱۳۳۹ھ)

۶۔ اَلطَّارِیُ الدَّارِیْ لِھَفَوَاتِ عَبْدِ الْبَارِیْ (۱۹۲۱ء)

مذکورہ بالا کتاب و رسائل کے مطالعے کے بعد آپ کا سیاسی مسلک بہت صاف و واضح نظر آتا ہے۔ ابتدا سے لے کر انتہا تک اس میں نہ کوئی نشیب و فراز آیا اور نہ کوئی لچک پیدا ہوئی۔ غالباً اسی لیے ڈاکٹر محمد اقبال (المتوفّٰی ۱۹۳۸ء) نے ان کے بارے میں کہا تھا کہ ''وہ بڑے غور و فکر سے فیصلہ صادر کرتے ہیں۔ اسی لیے ان کو رجوع کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔''[۲]

آپ روزِ اوّل سے دو قومی نظریے کے علم بردار رہے اور آخر تک اس کے لیے کوشاں رہے۔ ماہرِ رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (المتوفّٰی ۲۸/ اپریل ۲۰۰۸ء کراچی) نے اپنی کتاب ''حیاتِ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی (رحمۃ اللہ علیہ)'' میں لکھا ہے کہ: ''آپ کس پایہ کے مدبّر و سیاست داں تھے۔ ہنود کی سیاسی چالوں سے بخوبی باخبر تھے، سیاستِ ملّیہ کے ہر اہم موڑ پر آپ نے مسلمانوں کو خبردار کیا۔

ہنود کے چھپے ارادوں اور ہندو مسلم اتحاد کے خطرناک نتائج سے بھی انہیں آگاہ کیا اور یہ اس وقت کی بات ہے جب قائدِ اعظم محمد علی جناح اور ڈاکٹر محمد اقبال متحدہ قومیت کی بات کر رہے تھے۔'' آج بھی پاکستان اور ہندوستان میں گائے کی قربانی کو شعائرِ اسلام میں سے سمجھا جاتا ہے۔ حضرت مجدّدِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو شعائرِ اسلام میں شمار کیا ہے[۳]۔ اسلامی سلطنت میں ہندوؤں کے دخیل کار ہونے کی وجہ سے اکبر بادشاہ[ف] نے گائے کی قربانی پر پابندی لگادی تھی[۴]۔ پھر حضرت مجدّدِ الفِ ثانی (م ۱۰۳۴ھ۔ ۱۶۲۴ء) کی کوشش اور جدوجہد سے جہاں گیر بادشاہ کے زمانے میں یہ پابندی اُٹھادی گئی اور قلعے میں حضرت مجدّدِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں خود جہاں گیر نے گائے ذبح کرا کے اس پابندی کو ختم کیا۔[۵]

انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد پھر ہندوؤں نے کوشش کی کہ گائے کی قربانی پر پابندی لگادی جائے۔ یہ وہ وقت تھا جب انڈین نیشنل کانگریس کا قیام بھی عمل میں نہ آیا تھا۔ ہندوؤں نے گائے کی قربانی سے متعلّق علمائے ہند سے فتوے لیے۔ چنانچہ ۱۲۹۸ھ۔ ۱۸۸۰ء میں مراد آباد(یوپی) سے اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک استفتا آیا جس میں گائے کی قربانی سے متعلّق متعدد سوالات تھے۔ آپ نے اس استفتا کا مفصّل و محقّق جواب دیا؛ لہٰذا آپ تحریر فرماتے ہیں:''ہنود کی بے جاہٹ بجار کھنے کے لیے ایک قلم اس رسم کو اٹھادینا ہر گز جائز نہیں ہے۔''[۶]

مولانا فاضلِ بریلوی کے جواب پر علمائے رام پور نے اپنی تصدیقات ثبت کیں۔ مولای شبلی نعمانی کے اُستاد مولانا ارشاد حسین رام پوری (م ۱۳۱۱ھ۔ ۱۸۹۳ء) نے اپنے توثیقی دستخط ثبت کرتے ہوئے تحریر فرمایا: الناقد بصیر (یعنی پرکھنے والا آنکھیں رکھتا ہے)۔ ''مفتی صاحبِ نے مستقبل پر نظر رکھتے ہوئے مستفتی کی اصل منشا و مدعا کو سامنے رکھ کر فیصلہ صادر کیا ہے۔ اس سوال کا ایک جواب ہندوستان کے مشہور فقیہ مولانا عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ۔ ۱۸۸۶ء) نے بھی دیا۔ انہوں نے سوال کے ظاہری پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے سیدھا سادا جواب دیا اور تحریر فرمایا:''گاؤ کشی واجب نہیں، تارک گنہگار نہ ہوگا۔''[۷] مگر جب اصل حقیقت کا پتا چلا اور یہ معلوم ہوا کہ اس سوال کا منشا خالص سیاسی ہے تو انہوں نے مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کی طرف رجوع کرتے ہوئے دوسرے فتوے کا یہ جواب

دیا:"گاؤ کشی کہ اسلام کا طریقۂ قدیمہ ہے، ترک نہ کریں۔"[۸] مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا:"مولوی صاحب ہنود کے دھوکے میں آ گئے۔ مسلمانوں کے خلاف فتویٰ لکھ دیا؛ تنبیہ پر متنبہ ہوئے۔ یہی سوال میرے پاس بھی آیا تھا بفضلہٖ تعالیٰ بہ نگاہِ اوّلیں مکرِ مکاران پہچان لیا اور "گربہ کشتن روزِ اوّل باید" پر عمل وللہ الحمد۔"[۹]

آپ نے جس زمانے میں گاؤ کشی کی حمایت میں فتویٰ دیا۔ اس وقت آپ کی عمر مشکل سے ۲۳ برس ہو گی، اس جواں عمری میں یہ سیاسی بصیرت قابلِ توجّہ ہے۔ بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مستقبل میں اُٹھنے والے جس طوفان کا اندازہ لگایا تھا وہ صحیح نکلا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۹۱۹ء میں تحریکِ خلافت کے زمانے میں سیاسی پلیٹ فارم سے ہندوؤں کی خاطر گائے کی قربانی ترک کر دینے کا ہندو اور مسلمان دونوں نے مطالبہ کیا۔ صدر کانگریس پنڈت مدن موہن، مالویہ اور صدر مسلم لیگ حکیم اجمل خاں نے اس قسم کے مطالبات کیے جو نہایت حیرت ناک ہیں۔

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خیال میں غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کا پورا پورا حق تھا۔ انہوں نے ایک ہزار سال سے زیادہ کامیاب حکومت کی تھی۔ آپ اس حق سے دست بردار نہیں ہونا چاہتے تھے، اسی لیے انہوں نے رسالہ "اِعْلَامُ الْاَعْلَامِ بِاَنَّ هِنْدُوسْتَانَ دَارُالْاِسْلَامِ" لکھ کر اپنے موقف کا اظہار کیا۔ رسالہ اِعْلَامُ الْاَعْلَامِ بِاَنَّ هِنْدُوسْتَانَ دَارُالْاِسْلَامِ دراصل ایک فتویٰ ہے جس میں متعدد سوالات کے جوابات ہیں۔[۱۰] یہ استفتا تین سوالات پر مشتمل ہے جو ۱۲۹۸ھ میں بدایوں سے مرزا علی بیگ نے بریلی ارسال کیا تھا۔ آپ نے مندرجہ ذیل تین سوالات کے بالترتیب جوابات دیے ہیں:

۱ سوال: ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟

۲ سوال: دورِ حاضر کے یہود و نصاریٰ کتابی ہیں یا مشرک؟

۳ سوال: مبتدعین، داخل مرتدین ہیں یا نہیں؟[۱۱]

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پہلے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:"ہمارے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ اور علمائے ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہے، ہرگز دارالحرب

نہیں کہ دارالاسلام کے دارالحرب ہو جانے میں جو تین باتیں ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک درکار ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں احکامِ شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعتِ اسلامیہ کے احکام و شعائر مطلقاً جاری نہ ہونے پائیں اور صاحبین کے نزدیک اسی قدر کافی ہے مگر یہ بات بحمد اللہ یہاں قطعاً موجود نہیں۔''۱۲؎

مولانا عبد الحی لکھنوی اور مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کہ غیر منقسم ہندوستان دارالاسلام تھا۱۳؎۔ جن علما نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر سود کو جائز قرار دیا ان کا تعاقب کرتے ہوئے مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ علیہ لکھتے ہیں: ''عجب ان سے جو تحلیلِ ربوا کے لیے جس کی حرمت نصوصِ قاطعۂ قرآنیہ سے ثابت اور کیسی کیسی سخت وعیدیں اس پر وارد اس ملک کو دارالحرب ٹھہرائیں اور باوجود قدرت واستطاعت ہجرت کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔ گویا یہ بلاد اسی دن کے لیے دارالحرب ہوئے تھے کہ مزے سے سود کے لطف اُٹھائیے اور بآرام تمام وطن مالوف میں سیر فرمائیے۔ استغفر اللہ! اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ۔''۱۴؎

ہندوستان کو دارالاسلام قرار دینے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفتی ہندوستان پر انگریزوں کے قبضے کو غاصبانہ سمجھتا ہے اور مسلمانوں کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ بقدر استطاعت ملک کی آزادی کے لیے کوشش کریں۔ دارالحرب قرار دے کر تو اپنے حق سے عملاً دست بردار ہونا ہے کیونکہ اس طرح ہجرت فرض ہو جاتی ہے اور استخلاص کے لیے کوشش کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ ایک ہزار سالہ حکومت کا اتنی جلدی اپنے حق سے دستبردار ہونا نہ قرینِ عقل ہے اور نہ قرینِ انصاف۔ پھر یہ سوال بھی ذہن میں آتا ہے کہ انگریزی راج میں ہندوستان دارالحرب ہو سکتا ہے تو ہندو راج میں دارالحرب کیوں نہیں؛ حالانکہ شعائر واحکامِ اسلام پر عمل کرنے میں انگریزوں کی عمل داری میں جو آزادی تھی اب اتنی آزادی نہیں۔ اس سے شک ہوتا ہے کہ فیصلے مصلحت وقت کے تحت کیے گئے اور اس مصلحت نے سیاسی سطح پر مسلمانوں کو نقصان پہنچایا۔

اُوپر جو بحث گزری وہ غیر منقسم ہندوستان کو دارالحرب یا دارالاسلام قرار دینے سے متعلق تھی۔ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہندوستان دارالاسلام تھا۔ رسالہ اعلام الاعلام میں پہلے سوال کا یہ جواب تھا۔ اب دوسرے سوال کے جواب میں مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

لکھتے ہیں: نصاریٰ باعتبار حقیقت لغویہ۔۔۔ بلاشبہ مشرکین ہیں کہ وہ بالقطع قائل بہ تثلیث وبنوت ہیں۔ اسی طرح وہ یہود جو الوہیت وابنیتِ عزیر علیہ السلام کے قائل تھے۔ ۱۵؎

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے پر علما کے اختلاف کا ذکر کیا ہے لیکن آخر میں اپنا یہی فیصلہ دیا ہے کہ: "احتیاط اسی میں ہے کہ نصاریٰ کے نِسا وذبائح سے احتراز کرے اور آج کل بعض یہود ایسے پائے جاتے ہیں جو عزیر علیہ السلام کی ابنیت مانیں تو ان کے زن وذبیحہ سے بھی بچنا لازم جانیں۔" ۱۶؎

اوائل بیسویں صدی میں ترکی میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہوئی جس کا اثر فطری طور پر ہندوستان کے مسلمانوں پر ہوا اور مسلمانوں کی اکثریت اس کی لپیٹ میں آگئی۔ ۱۹۱۹ء میں تحریکِ خلافت کا آغاز ہوا بے پناہ جوش وجذبہ کا مظاہرہ کیا گیا اور ہندوستان کے طول وعرض میں زندگی کی ایک عجیب لہر پیدا ہو گئی؛ مگر اس تحریک کا المیہ یہ تھا کہ ظاہر میں جو کچھ دکھایا گیا اندرونِ خانہ کچھ اور ہی تھا۔ ہندوؤں کے مذہبی اور سیاسی پیشوا مسٹر گاندھی (المتوفیٰ ۱۹۴۸ء) نے اس جذباتی سیلاب کو غنیمت جانا۔ تحریکِ خلافت میں شامل ہو کر پہلے مسلمانوں کے دل موہ لیے، پھر ۱۹۲۰ء میں اچانک تحریکِ ترکِ موالات شروع کر کے جذبات کا دھارا دوسری طرف موڑ دیا اور (ہندو مسلم اتحاد کا راگ الاپا جس سے) دیکھتے ہی دیکھتے کانگریس کو حیاتِ نو ملی اور مسلمانوں کو مذہبی، اقتصادی، معاشرتی، تمدّنی، مذہبی، تہذیبی اور سیاسی نقصانات اُٹھانے پڑے۔ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی تحریکِ خلافت میں عملاً شامل نہ ہوئے اس کی کئی وجوہات ہیں:

۱۔ ان کی زندگی کا آخری دور تھا اور وہ سخت بیمار تھے۔

۲۔ سلطنتِ ترکی کو خلافتِ شرعیہ، قرار دینے پر ان کو تحریکِ خلافت کے پیشواؤں سے فقہی اختلاف تھا۔

۳۔ تحریکِ خلافت کے سیاسی طریقۂ کار سے بھی ان کو اختلاف تھا اور وہ اس کو مسلمانوں کے لیے سخت مضر سمجھتے تھے۔

۴۔ ان کو یقین تھا کہ بعض تجربہ کار سیاست داں، سادہ لوح مسلمان لیڈروں اور مسلمانوں کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کر رہے ہیں اور تحریک کے جو مقاصد بتائے جا رہے ہیں حقیقتاً وہ مقاصد نہیں، اصل مقصد مسلمانوں کو قربان کر کے "سوراج" حاصل کرنا ہے۔

۵۔ وہ ترکوں کی امداد کا اپنا علیٰحدہ پروگرام اور منصوبہ رکھتے تھے۔ [۱۷]

حقیقت تو یہ ہے کہ جب جذباتی دور میں عقل مغلوب ہو جاتی ہے اور حکمت و دانائی کی باتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں بلکہ بعض اوقات ایسی باتیں عوام الناس کی نظر میں مجرم بنادیا کرتی ہیں، لیکن جب جذبات ٹھنڈے پڑتے ہیں اور حقیقتیں سامنے آتی ہیں تو پھر وہی سچ معلوم ہوتا ہے جسے جھوٹ کہا گیا تھا۔

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے عوام کی اسی نفسیات کے پیشِ نظر "خلافتِ شرعیہ" کے لیے قید "قرشیت" کی بحث کو آئندہ کے لیے اُٹھا رکھا اور ان جذباتی فتووں کو ٹھنڈے دل سے برداشت کیا کہ "جو سلطنتِ ترکیہ کو خلافتِ شرعیہ نہ سمجھے" اور جو سلطان ترکی کو خلیفۃ المسلمین نہ مانے وہ کافر ہے۔"

مسئلہ خلافت و قرشیت کے سلسلے میں فرنگی محل سے کئی سوالات آئے۔ ۱۳۳۰ھ میں مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے خطبے اور مولانا ابو الکلام آزاد کے رسالہ جزیرۃ العرب کے بارے میں استفسارات آئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات نے خلافت کے لیے قید شرعی "قرشیت" کو رد کر دیا تھا۔ سلطان ترکی قرشی نہ تھے اس لیے قرشیت کو رد کر کے ان کی سلطنت کو خلافتِ شرعیہ اور ان کو خلیفہ شرعی قرار دینا تھا [۱۸]۔ بہر کیف مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ بالا استفسارات کے جواب میں یہ رسالہ تحریر فرمایا:

دَوَامُ الْعَيْشِ فِي الْاَئِمَّةِ مِنْ قُرَيْشٍ، (۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء)

اس رسالے کو ایک مقدمہ اور تین فصل پر ترتیب دیا۔ ابھی تیسری فصل کی مبحث سوم کی ابتدا ہی ہوئی تھی کہ آپ دوسرے کاموں میں مشغول ہو گئے اور اس خیال کو چھوڑ دیا کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا جب وقت آئے گا مکمل کر کے طبع کرا دیا جائے گا یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ ایک سال کا مزید انتظار کرنے کے بعد جب خلافت کی حقیقت اور تحریکِ خلافت کے چھپے مقاصد ظاہر ہو گئے اور سلطنتِ ترکیہ ختم ہو گئی تو ۲۵ ربیع الاوّل ۱۳۴۱ھ کو مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں بریلوی نے یہ رسالہ مطبع حسنی، بریلی سے چھپوا کر شائع کیا اور اس پر ۱۴ صفحات کی ایک تمہید لکھی جس میں تحریکِ خلافت اور خاتم خلافت کا جائزہ لیا گیا ہے [۱۹]۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے

کہ ۱۹۲۰ء میں مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو سوچا تھا صحیح ثابت ہوا۔ ''رسالہ دوام العیش'' جن استفسارات کے جواب میں لکھا گیا ان کی تفصیل مندرجہ ذیل سطور میں دی جا رہی ہے:

۱۔ سلطنتِ عثمانیہ کی اعانت مسلمانوں پر لازم ہے یا نہیں۔

۲۔ فرضیت اعانت کے لیے بھی سلطان کا قرشی ہونا شرط ہے یا صرف خلافتِ شرعیہ کے لیے یا کسی کے لیے نہیں؟

۳۔ مولوی فرنگی محل کے خطبۂ صدارت میں اس کے متعلق چند سطور ہیں اور مسٹر ابوالکلام آزاد نے رسالہ مسئلہ خلافت جزیرۂ عرب میں بیان کیا ہے ان دونوں کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ خلافتِ شرعیہ میں بھی قرشیت شرط نہیں۔ یہ صحیح ہے یا غلط اور اس کے بارے میں مذہب اہلِ سنّت کیا ہے؟

پہلے سوال کے جواب میں مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''سلطنت علیّہ عثمانیہ ایدھا اللہ تعالیٰ، نہ صرف عثمانیہ، ہر سلطنت اسلام، نہ صرف سلطنت، ہر جماعتِ اسلام، نہ صرف جماعت، ہر فرد اسلام کی خیر خواہی، ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس میں قرشیت شرط ہونا کیا معنیٰ؟ دل سے خیر خواہی مطلقاً فرض عین ہے۔۔۔ البتہ اہلِ سنّت کے مذہب میں ''خلافتِ شرعیہ'' کے لیے، ضرور ''قرشیت'' شرط ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں ہیں۔ اسی پر صحابہ کا اجماع، تابعین کا اجماع، اہلِ سنّت کا اجماع ہے، اس میں مخالف نہیں مگر خارجی یا کچھ معتزلی۔ کتبِ عقائد و کتبِ حدیث و کتبِ فقہ اس سے مالا مال ہیں۔ بادشاہِ غیر قرشی سلطان، امام، امیر، والی، مَلِک سے کہیں گے، مگر شرعاً خلیفہ یا امیر المومنین کہ یہ بھی عرفاً اُسی کا مترادف ہے، ہر بادشاہ قریشی کو بھی نہیں کہہ سکتے سوا اس کے جو ساتوں شروطِ خلافت: (۱) اسلام (۲) عقل (۳) بلوغ (۴) حریت (۵) ذکوریت (۶) قدرت (۷) قرشیت۔ سب کا جامع ہو کر عام مسلمانوں کا فرمانروائے اعظم ہو۔''[۲۰]

اس وضاحت کے بعد خلفاءِ اسلام کی تاریخ کا مؤرّخانہ اور محقّقانہ اجمالی جائزہ پیش کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ہر دور میں ''قرشیت'' کو خلافتِ شرعیہ کی شرط تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ بحث صفحہ ۱۵ سے صفحہ ۲۵

تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے بعد مقدمے میں ''خلیفہ'' اور ''سلطان'' کے فرق کو واضح کیا ہے اور شرائط و لوازماتِ خلافت کی توضیح و تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

۱۔ خلیفہ حکمرانی و جہاں بانی میں رسول اللہ ﷺ کا نائبِ مطلق، تمام اُمّت پر ولایت عامّہ والا ہے۔ ۲۱

۲۔ خلیفہ کی اطاعت غیر معصیتِ الٰہی میں تمام اُمّت پر فرض ہے جس کا منشا خود اس کا منصب ہے۔

۳۔ خلیفہ نے جس مباح کا حکم دیا، حقیقۃً فرض ہو گیا، جس مباح سے منع کیا حقیقۃً حرام ہو گیا۔ ۲۲

۴۔ خلیفہ ایک وقت میں تمام جہاں میں ایک ہی ہو سکتا ہے اور سلاطین، دس ملکوں میں دس۔ ۲۳

۵۔ کوئی سلطان اپنے انعقادِ سلطنت میں دوسرے سلطان کے اذن کا محتاج نہیں مگر ہر سلطان، اذنِ خلیفہ کا محتاج ہے۔ ۲۴

۶۔ خلیفہ بلا وجہ شرعی کسی بڑے سے بڑے سلطان کے معزول کیے سے معزول نہیں ہو سکتا۔ ۲۵

۷۔ سلطنت کے لیے قرشیت، در کنار، حریت بھی شرط نہیں، بہتیرے غلام بادشاہ ہوئے۔ ۲۶

اس مقدمے کے بعد فصلِ اوّل قائم کی ہے جس میں احادیثِ متواترہ، اجماعِ صحابہ و تابعین و ائمۂ اُمّت و مذہب اہلِ سنّت سے شرطِ ''قرشیت'' کا ثبوت پیش کیا ہے، اس سلسلے میں پہلے کتبِ عقائد کے حوالے دیے۔ اس طرح تقریباً پچاس (۵۰) حدیثیں اور کتبِ عقائد، تفسیر، حدیث، فقہ کی بانوے ۹۲ عبارتیں پیش کی ہیں۔

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ دوام العیش ۱۹۲۰ء میں تحریر فرمایا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ تحریکِ خلافت کے حامی سلطنتِ ترکیہ کو خلافتِ شرعیہ نہ سمجھنے والوں اور سلطانِ ترکی عبد الحمید خان کو خلیفۂ شرعی نہ کہنے والوں کو کافر کہہ رہے تھے۔ پھر ۱۹۲۲ء میں وہ دور آیا جب ترکی کے مسلمانوں نے خود اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ نہ وہ سلطان عبد الحمید کو خلیفۂ شرعیہ سمجھتے تھے نہ ان کی سلطنت کو خلافتِ شرعیہ۔

اخبار ہمدم (لکھنؤ) کی یہ خبر ملاحظہ ہو: ''جمعیت عالیہ ملیہ انگورہ نے ایک اعلان شائع کیا ہے جس میں سلطان المعظم کو معزول کر دیا ہے کہ اب ترکی میں حکومت کی صورت جمہوریہ کے ہم معنٰی ہے۔ سلطنتِ

عثمانیہ کے بجائے دولتِ ترکیہ جمہوریہ کا اعلان کر دیا ہے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ترکی کا نام آئندہ بجائے سلطنت عثمانیہ دولتِ ترکیہ رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" ۲۷

تحریکِ خلافت کے جذباتی زور شور پھر اس کے المناک انجام پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں لکھتے ہیں: "انسان کو چاہیے کہ بات کہنے اور کام کرنے سے پہلے اس کے مال وانجام پر نظر رکھے۔ جس کا آخر حسن ہو اسے اختیار کرے ورنہ نہیں، تیرہ سو برس کے اجماعی اتفاقی مسئلے میں اختلاف کا حاصل ہوائے تشتت اور افتراق بین المسلمین میں ایک اور اضافہ ہو گیا۔" ۲۸

آگے چل کر ایک اور جگہ لکھتے ہیں: کچھ فائدہ تو نہ پہنچا سکے ہاں مسلمانوں اور خود ترک بھائیوں پر لعن طعن کی بوچھاڑ کا ایک حربہ نصاریٰ کے ہاتھ میں دے دیا۔ لیڈر تو ہم غرباءِ اہلِ سنّت کو نصاریٰ کا طرف دار ورشوت خور اور ترکوں کا دشمن بتاتے تھے اگر نگاہِ انصاف ہو تو آنکھیں کھولیں۔ ۲۹

تحریکِ خلافت کے پردے میں ہندو سوراج کا جو خواب دیکھ رہے تھے وہ شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا حالانکہ ۱۹۲۰ء میں تحریکِ خلافت کے ساتھ ساتھ تحریکِ ترکِ موالات بھی شروع کی گئی مگر یہ دونوں تحریکیں جس بنیاد پر چلائی جا رہی تھیں وہ سلطان عبدالحمید کی سلطنت تھی جس کو خلافت شرعیہ بنا کر دکھایا گیا تھا مگر غازی مصطفیٰ کمال پاشا (المتوفّٰی نومبر ۱۹۳۸ء)(ف) نے اس کو ختم کر کے یہ بتا دیا کہ یہ خلافتِ شرعیہ نہ تھی بلکہ محض سلطنتِ اسلامیہ تھی۔ اس غیر متوقع حادثے نے ہندوستان میں تحریکِ ترکِ موالات کو بے جان کر دیا۔ ۱۹۲۲ء میں جب ترکی میں سلطان عبدالحمید کی سلطنت ختم کی گئی ہندوستان میں مسٹر گانڈھی نے تحریکِ ترکِ موالات ختم کر دی اور سوراج کا وہ مقصدِ وحید حاصل نہ ہو سکا جس کے لیے در پردہ کوششیں کی جا رہی تھی۔ مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں نے ایک رسالہ لکھا جس کا عنوان ہے "فصل الخلافۃ (۱۹۲۲ء)" اور اس کا، لقب "سوراج در سوراج"۔ ۳۰ اس رسالے میں مسئلۂ خلافت اور ترکوں کے ہاتھوں خاتمۂ خلافت پر بحث کی ہے۔ "طرق الھدیٰ والارشاد الی احکام الامارۃ

الجہاد" ۳۱؎ اس رسالے میں بھی مسئلۂ خلافت و جہاد، ہندو مسلم اتحاد، ترکِ موالات، فتنۂ ارتداد اور گاؤ کشی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

تحریکِ خلافت سے مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی علیٰحدگی کے بارے میں جن وجوہات کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں ایک وجہ خلافتِ شرعیہ کے لیے قرشیت کی شرط پر ان کا تحریکِ خلافت کے لیڈروں بالخصوص مولانا عبد الباری فرنگی محلی اور مولانا ابو الکلام آزاد سے اختلاف رہا۔ تحریکِ خلافت کا طریقۂ کار اور تحریکِ خلافت کے جو مخفی مقاصد تھے اُن کا اظہار مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اکثر تحریروں میں ملتا ہے۔ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مقصد بتایا جاتا ہے مقدسہ مقامات کی حفاظت، اس میں کون مسلمان خلاف کر سکتا ہے اور کارروائی کی جاتی ہے کفّار سے اتّحاد، مشرک لیڈروں کی غلامی و تقلید، قرآن و حدیث کی عمر کو بت پرستی پر نثار کرنا ۳۲؎ مسلمانوں کا قشقہ لگانا ۳۳؎، کافروں کی جے بولنا، رام لچھمن پر پھول چڑھانا ۳۴؎، رامائن کی پوجا میں شریک ہونا ۳۵؎، مشرک کا جنازہ اپنے کندھوں پر اُٹھا کر اس کی جے بول کر مرگھٹ لے جانا ۳۶؎، کافروں کو مسجد میں لے جا کر مسلمانوں کا وعظ سنانا ۳۷؎، شعائرِ اسلام قربانیِ گاؤ کا کفّار کی خوشامد میں بند کرنا۔ ۳۸؎، ایک ایسے مذہب کی فکر میں ہونا جو اسلام و کفر کی تمیز اُٹھا دے اور بتوں کے معبد پر آگ کو مقدّس ٹھہرائے ۳۹؎۔ اور اس طرح بہت سے اقوال، احوال و افعال جن کا پانی سر سے گزر گیا جنہوں نے اسلام پر یک سر پانی پھیر دیا۔ کون مسلمان موافقت کر سکتا ہے؟ ان حرکات کے رد میں فتوے لکھے گئے اور لکھے جا رہے ہیں اس سے زیادہ کیا اختیار ہے؟ پاکی ہے اسے جو مقلب القلوب والابصار ہے۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ۴۰؎

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جن گمراہیوں کا ذکر کیا ہے یہ اس وقت ظہور میں آئیں جب حفاظتِ خلافتِ اسلامیہ اور اماکنِ مقدسہ کے لیے کوشش کی جا رہی تھی اور اس کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائی جا رہی تھی، لیکن نتیجہ بقائے اسلام کے بجائے فنائے اسلام کی صورت میں نظر آ رہا تھا۔ درد مندوں اور عاقبت اندیشوں کے فکر و عمل کا یہ تضاد یقیناً تشویش ناک اور حیرت ناک تھا۔ مولانا شاہ احمد رضا

خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان بے راہ رویوں کے خلاف قلمی جہاد کیا اور اسلام کی خاطر اپنے عزیز ترین دوستوں سے بھی اختلاف کیا اور کئی رنجشیں مول لیں[۴۱]۔ انہوں نے بہت پہلے ۱۹۱۲ء میں مسلمانانِ عالم کی بالعموم اور مسلمانانِ ہند کی بالخصوص حالتِ زار کو سدھارنے کے لیے ایک رسالہ تحریر کیا تھا جس کا عنوان ہے: "تدبیرِ فلاح و نجات و اصلاح"[۴۲]۔ یہ رسالہ کولکتہ اور رام پور سے شائع ہوا، اس میں بہت سی مفید تدابیر تحریر تھیں جن پر عمل کیا جاتا تو مسلمانوں کی سیاسی اور معاشی حالت سدھر جاتی مگر بہت بعد میں عمل کیا گیا، پھر تقریباً ۱۹۱۷ء میں جماعتِ رضائے مصطفیٰ (بریلی) قائم کی جس نے مسلمانانِ ہند کو جذبات کے سیلاب میں بہنے سے روکنے کے لیے حتی الوسع کوشش کی مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان جذبات سے اتنے مغلوب ہو چکے تھے کہ اس طرح توجہ نہ دی جس کا اندازہ اس تحریر سے ہوتا ہے جو جماعت رضائے مصطفیٰ کی طرف سے جاری کی گئی۔ "نہایت افسوس سے عرض کیا جاتا ہے کہ باوجود ان ضروری سے ضروری، اہم سے اہم کارہائے دین کے انجام دینے اور حسابات شائع کر کے اطمینان کر کے اطمینان کر دینے کے بھی آپ حضرات نے جماعتِ مبارکہ کی طرف وہ توجہ نہ فرمائی جس کی وہ مستحق ہے۔"[۴۳]

اسی زمانے میں "انصار الاسلام" کے نام سے ایک تنظیم بریلی میں قائم کی گئی، جس کی طرف سے متعدد مقامات پر جلسے ہوئے جن میں مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادگان کی حفاظتِ سلطنتِ ترکیہ اور ترکوں کی جائز و مفید اعانت، اسلام اور مسلمانوں کی دشمنانِ دین سے حفاظت اور مسلمانانِ ہند کی اخلاقی، معاشرتی، تمدنی اور اقتصادی مفاد کی طرف سے رہنمائی کرنا تھا۔[۴۴]

۱۹۲۰ء میں جب تحریکِ ترکِ موالات شروع ہوئی اور اس کے نتیجے میں ہندو مسلم اتّحاد شباب پر پہنچا تو بقائے وحدتِ ملّت اسلامیہ اور ہندو مسلم اتّحاد کے خلاف مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سخت جدوجہد کی اور عین مرض الموت میں ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا عنوان ہے: "المحجة المؤتمنة فی آیة الممتحنة" (۱۳۳۹ھ)۔

یہ رسالہ شدید علالت کے زمانے میں لکھا گیا۔ اس سے مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص و دل سوزی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مولانا ظفر الدین کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: "۱۲ر

ربیع الاول (۱۳۳۹ھ) سے طبیعت ایسی علیل ہوئی کہ کبھی نہیں ہوئی تھی، چار چار پہر پیشاب بھی بند رہا میں نے وصیت نامہ بھی لکھوا دیا تھا۔ اللہ ربّ العزّت نے فضل کیا، مرض زائل ہوا مگر آج دو مہینے کامل ہوئے، ضعف میں فرق نہیں مسجد کو چار آدمی کرسی پر بٹھا کر لے جاتے اور کرسی پر لاتے ہیں۔ اسی حالت میں ترکِ موالات و ترکِ تعاون و استعانت بکفار و ادخال مشرکین، مسجد وغیرہا امور دائرہ پر ایک جواب لکھنا پڑا کہ پانچ جز سے زائد ہو گیا۔ آیۂ کریمہ ممتحنہ کی اس آیت میں بحث کافی کر دی گئی۔ اسی کے لحاظ سے اس کا نام المحجة المؤتمنة رکھا گیا یہ رسالہ چھپ رہا ہے۔"[۴۵]

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالے پر ایک تحقیقی مقالہ قلم بند کیا جس کا عنوان ہے: "فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ترکِ موالات"۔ یہ مقالہ ۱۹۷۱ء میں لاہور سے شائع ہو چکا ہے[۴۶]۔ یہاں رسالہ المحجة المؤتمنة کے مضامین کا اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس رسالے میں سب سے پہلے مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذمی، حربی، مستامن وغیرہ سے موالات و ترکِ موالات پر بحث کی ہے، پھر آگے چل کر موالات کی قسموں پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تحقیقِ مقام ہے کہ موالات کی دو اقسام ہیں:

(الف) اوّل حقیقتاً۔ جس کا ادنیٰ رکن یعنی میلانِ قلب ہے پھر وِداد، پھر اتحاد پھر اپنی خواہشات سے بے خوف و طمع انقیاد، پھر تبتل۔ یہ بجمیع وجوہ کافر سے مطلقاً ہر حال میں حرام ہے۔

(ب) دوم صوریہ۔ صوریہ یہ ہے کہ دل اس کی طرف اصلاً مائل نہ ہو مگر برتاؤ وہ کرے جو بظاہر محبت و میلان کا پتا دیتا ہو۔ یہ بحالتِ ضرورت و مجبوری صرف بقدرِ ضرورت و مجبوری مطلقاً جائز ہے۔[۴۷]

مدارات و مداہنت کے بیچ میں موالات صوریہ کی دو قسمیں ہیں۔ برّ و اِقساط اور معاشرت۔ یہ تو صورتیں موالات کی ہوئیں۔ مکمل مجرد معاملت استعانت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: تحقیقِ مقام بتوفیقِ مقام یہ ہے کہ یہاں استعانت کی تین حالتیں ہیں:

(الف) التجا یہ ہے کہ قلیل گروہ اپنے کو ضعیف کمزور یا عاجز پا کر، کثیر قوی طاقت ور جتھے کی پناہ لے، اپنا کام بنانے کے لیے اس کا دامن پکڑے، یہ بداہۃً اپنے آپ کو ان کے ہاتھ میں دے دینا ہو گا۔

(ب) اعتماد یہ ہے کہ وہ مساوی سے یارانہ گانٹھیں، انہیں اپنا یاور ویار ومعین ومدد گار بنائیں، ان کی مدد موافق سے اپنے لیے غلبہ، عزت وکامیابی چاہیں۔ یہ اگرچہ اپنے آپ کو ان کے رحم وکرم پر چھوڑ دینا نہیں مگر ان کی ہمدردی وخیر خواہی پر اعتماد یقیناً ہے۔ کوئی عاقل خون کے پیاسے دشمن کو معین وناصر نہ بنائے گا۔

(ج) استخدام یہ کہ کافر ہم سے دبا ہو، اس کی چوٹی ہمارے ہاتھ میں ہو کسی طرح ہمارے خلاف پر قادر نہ ہو، وہ اگرچہ اپنے کفر کے باعث یقیناً ہمارا بدخواہ ہو گا مگر بے دست وپا ہے، ہم سے خوف وطمع رکھتا ہے، خوف شدید کے باعث اظہارِ بدخواہی نہ کر سکے بلکہ طمع کے سبب مسلمان کے بارے میں نیک رائے ہو۔ ۴۸

یہ تو تھیں استعانت کی صورتیں لیکن جہاں تک موالات دوستی کا تعلق ہے، اس کے متعلق مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صاف صاف لکھ دیا: "موالات مطلقاً ہر کافر، مشرک سے حرام ہے، اگرچہ ذمّی مطیعِ اسلام ہو، اگرچہ اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی یا قریب (عزیز) ہو۔" ۴۹

تحریکِ ترکِ موالات کے ایک رہنما مولانا عبدالباری فرنگی محلی پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "انہیں اپنا پیشوا بنالیا؛ صاف لکھ دیا: ان کو اپنا رہنما بنالیا ہے جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہوں میرا حال تو سردست اس شعر کے موافق ہے۔

عمرے کہ بآیات واحادیث گزشت
رفتی وثار بت پرستی کردی ۵۰

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہندوؤں سے استعانت وتعاون مسلمانوں کے لیے مضر تھا۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں: "وہ جو آج تمام ہندوؤں اور نہ صرف ہندوؤں تم سب ہندو پرستوں کا امامِ ظاہر وبادشاہِ باطن ہے یعنی گاندھی صاف نہ کہہ چکا کہ مسلمان اگر قربانیِ گاؤ نہ چھوڑیں گے تو ہم تلوار کے زور سے چھڑا دیں گے۔ اب بھی کوئی شک رہا کہ تمام مشرکین ہندو دین میں ہم سے محارب ہیں۔" ۵۱

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دشمن کی نفسیات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

دشمن اپنے دشمن کے لیے تین باتیں چاہتا ہے۔

۱۔ اس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو جائے۔

۲۔ یہ نہ ہو تو اس کی جلاوطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔

۳۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو آخری درجہ اس کی بے پری کہ عاجز بن کر رہے۔

مخالفت کے یہ درجے ان پر طے کر دیے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں، خیر خواہ ہی سمجھے جاتے ہیں۔

اولاً: جہاد کے اشارے ہوئے اس کا کھلا نتیجہ ہندوستان کے مسلمانوں کا فنا ہونا تھا۔ ۵۲

ثانیاً: جب یہ نہ بنی ہجرت کا بھرا کہ کسی طرح یہ دفع ہوں؛ ملک ہماری کبڈیاں کھیلنے کو رہ جائے۔ یا اپنی جائیدادیں کوڑیوں کے مول بیچیں یا یوں ہی چھوڑ جائیں۔ ۵۳

ثالثاً: جب یہ بھی نہ نبھی تو ترکِ موالات کا جھوٹا حیلہ کر کے ترکِ معاملات پر اُبھارا کہ نوکریاں چھوڑ دو، کونسل کمیٹی میں داخل نہ ہو، مال گزاری، ٹیکس کچھ نہ دو، خطابات واپس کر دو۔ ۵۴ امر اخیر تو صرف اس لیے ہے کہ ظاہر نام کا وفاداری اعزاز بھی کسی مسلمان کے لیے نہ رہے اور ہر شعبے اور محکمے میں صرف ہنود رہ جائیں۔ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالے کے آخر میں مسلمانانِ ہند سے یہ درد بھری اپیل کی تھی۔

"تبدیلِ احکام الرحمٰن اور اختراعِ احکام الشیطان سے ہاتھ اُٹھاؤ، مشرکین سے اتّحاد توڑو، مرتدین کا ساتھ چھوڑو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامنِ پاک تمہیں اپنے سائے میں لے۔ دنیا نہ ملے، نہ ملے، دین تو ان کے صدقے میں ملے۔ ۵۵

تحریکِ ترکِ موالات کے زمانے میں ہندو مسلم اتّحاد کا جو سیلاب امنڈا، مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سخت مزاحمت کی۔ ان کا خیال تھا کہ تحریک کے پردے میں سوراج کے لیے راہ ہموار کی جارہی ہے۔ حقائق و مشاہدات سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس رازِ سربستہ کو فاش کرنے کے ردِّ عمل میں مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر الزام لگایا کہ وہ انگریزوں کے حامی و ناصر اور ان کے تنخواہ دار ہیں۔

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس الزام کی سختی سے تردید کرتے ہوئے فرمایا: "اس کا جواب اس سے بہتر میرے پاس کیا ہے لعنت اللہ علی الکاذبین جس نے ایسا کیا ہو اس پر قیامت تک اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے نیک بندوں کی لعن ہو۔" ۵۶

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری تحریکِ خلافت میں مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حریف تھے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر انگریز دوستی کا الزام سراسر بے بنیاد تھا جو سیاسی مقاصد کے تحت لگایا گیا تھا۔ یہ اظہارِ خیال ایک غیر مطبوعہ کتاب (خیابانِ رضا مرتبہ محمد مرید احمد) میں کیا گیا ہے، جس پر پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ لکھا ہے۔

دراصل مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کافر و مشرک، یہود و نصاریٰ، آتش پرست وستارہ پرست سب ہی کو مسلمانوں کا دشمن سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں: کافر بلکہ ہر فرد و فرقہ ہمارا دشمن ہے، خواہ وہ مرتد ہو، مشرک ہو، یہودی ہو، عیسائی ہو یا آتش پرست۔ ۵۷ لیکن ان سب میں وہ کافر و مشرک کو مسلمانوں کا دشمنِ جانی سمجھتے تھے۔ تاریخی واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات کے زمانے میں ہندو مسلم اتّحاد کی سختی سے مزاحمت کی۔

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ مسٹر گاندھی کی قیادت کو مسلمانانِ ہند کے لیے مہلک سمجھتے تھے۔ اس مسئلے پر انہوں نے اپنے دوست مولانا عبد الباری فرنگی محلی (۱۹۲۶ء) سے سخت اختلاف کیا۔ دونوں کے درمیان تفصیلی مراسلت ہوئی جو مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۲۱ء میں تین حصّوں میں بریلی سے شائع کی اس کا عنوان ہے: "اَلطَّارِیُ الدَّارِیُ لِھَفَوَاتِ عَبْدِ الْبَارِیْ"۔ مولانا عبد الباری مسٹر گاندھی کی قیادت پر یقین رکھتے تھے جب کہ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کو مسلمانوں کے لیے قاتل سمجھتے تھے۔ مولانا عبد الباری جیسے پر مسٹر گاندھی کا جادو چل جانا مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے حیرت ناک تھا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

یارب چہ کرد دست فسوں دم گاندھی
لیڈر پس رو، امام اقدم گاندھی ۵۸

خلافت کمیٹی (۱۹۱۹ء) میں مسٹر گاندھی اور دوسرے ہندو کو صدر و ممبر بنایا گیا دوستی و محبت اس حد تک پہنچی کہ ہندو لیڈروں کی موت پر مساجد میں فاتحہ خوانی اور دعائے مغفرت کی گئی۔ ان دل خراش حالات کو دیکھ کر مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ دل سوزی کے ساتھ کہتے ہیں۔

مرتد را صدر و مشرکاں را ارکاں

کردند مرتد و اصنا میاں

ہم نماز، ہم دعوت عفو

واللہ کہ مسخ شد زولہا ایمان ۵۹؎

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کسی طرح گوارہ نہ کرتے تھے کہ مسلمان گاندھی کے لیے سواری کا کردار ادا کریں۔

اقبال نے کہا تھا: ؏ ایّام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر!

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی مسلمانانِ ہند کو اس اولوالعزمی اور غیرت کا درس دیتے ہوئے نصیحت کرتے ہیں:

مشرک سنہ بکود سواری باید کرد

مسٹر گاندھی تحریکِ خلافت میں مسلمانوں کے ہم نوا تھے مگر اندرونِ خانہ وہ مسلمانوں کی اس سیاسی بیداری سے اپنا مدعا حاصل کرنا چاہتے تھے، وہ مدعا سوراج یعنی ہندو راج کے سوا کچھ نہ تھا۔ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی بصیرت نے اس راز کو پالیا تھا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

گاندھی پا سوراج دلش بشگافد ۶۰؎

اسی لیے مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال تھا کہ تحریکِ خلافت میں مسٹر گاندھی کی شرکت سے اور تحریکِ ترکِ موالات میں مسٹر گاندھی کی قیادت سے سراسر ہندوؤں کو فائدہ ہوگا اور مسلمانوں کو نقصان۔ چنانچہ وہ مولانا عبد الباری فرنگی محلی سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

از بازوئے تو نظام دین گاندھی ست

قائم نہ تو انتظام دین گاندھی ست

اور یہ کوئی جذباتی تاثرات نہ تھے بلکہ حقائق کی روشنی میں دیکھا جائے تو صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ مسلم علماو عمائدین کی مسٹر گاندھی سے وابستگی کی وجہ سے فرانس کا مشہور مستشرق پروفیسر کوئی مالینوں(۱۸۸۳ء) مسٹر گاندھی سے اس حد تک متاثر نظر آتا ہے کہ وہ یہاں تک لکھ گیا کہ:

Who was the last of saints۔[۶۱]

یعنی مسٹر گاندھی "خاتم الاولیاء" تھے۔ اگر مسلمان علما و عمائدین مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی کی نصیحت پر عمل کرتے اور اس کے ہم نوا نہ ہوتے تو پروفیسر موصوف اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوتا۔

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سیاسی و معاشی و مذہبی سطح پر یہود و نصاریٰ اور کفّار و مشرکین سب مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ ہندوؤں کے ساتھ مروّت کا برتاؤ کرو اور انگریز کے ساتھ نفرت وحقارت کا، سراسر حماقت ہے۔ ان میں سے کوئی ایک نہ دوستی کے لائق ہے اور نہ مروّت و محبّت کے۔

یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں کے چنگل سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے جہاں قوّتِ ایمانی کی ضرورت تھی وہاں معاشی و اقتصادی قوّت کی بھی ضرورت تھی۔ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر و تقریر کے ذریعے ایک طرف ملّتِ مسلمہ کی قوّتِ ایمانی کی پاس داری کی تو دوسری طرف معاشی و اقتصادی قوّت حاصل کرنے کے لیے ایک لائحۂ عمل پیش کیا۔ چنانچہ ۱۹ ربیع الاوّل ۱۳۳۱ھ کو (کولکتہ) سے ایک مفتی حاجی لعل خاں نے استفتا بھیجا جس میں سوال کیا گیا تھا:

۱۔ ارشاد ہو کہ آج کل مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟

۲۔ امدادِ ترک کا کیا طریقہ ہو؟[۶۲]

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سوالات کے جواب میں ایک رسالہ لکھا جس کا عنوان ہے "تدبیرِ فلاح و نجات و اصلاح" اس رسالے میں مذکورہ بالا سوالات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے

ہیں: ”آپ پوچھتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟ اس کا جواب میں کیا دے سکتا ہوں؟ اللہ عزوجل نے تو مسلمانوں کے جان ومال جنّت کے عوض خریدے ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَہُمْ وَاَمْوَالَہُمْ بِاَنَّ لَہُمُ الْجَنَّۃَ۔ (سورۂ توبہ، آیت ۱۱۱)

ترجمہ: مگر ہم ہیں کہ مبیع دینے سے انکار اور ثمن کے خواستگار۔ ہندی مسلمانوں میں یہ طاقت کہاں کہ وطن ومال واہل وعیال چھوڑ کر ہزاروں کوس جائیں اور میدانِ جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ دیں، مگر مال دے سکتے ہیں: اس کی حالت بھی سب آنکھوں دیکھ رہے ہیں۔ وہاں مسلمانوں پر یہ کچھ گزر رہی ہے یہاں وہی جلسے ہیں، وہی رنگ، وہی ٹھیٹر، وہی اُمنگ، وہی تماشے، وہی بازیاں، وہی غفلتیں، وہی فضول خرچیاں۔ ایک بات کی بھی کمی نہیں۔“ ۶۳ بہتر ہے کہ مسلمان اپنی سلامت روی پر قائم رہیں، کسی شریر قوم کی چال نہ سیکھیں اپنے اُوپر مفت کی بدگمانی کا موقع نہ دیں۔

پھر ملّتِ اسلامیہ کی اخلاقی ومعاشی فلاح وبہبود کے لیے اپنی تجاویز کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

* اوّلاً: باستثنا ان معدودباتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو، اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے، اپنے سب مقدمات اپنے آپ فیصل کرتے، یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ ووکالت میں گھسے جاتے ہیں گھر کے گھر تباہ ہوگئے اور ہوئے جاتے ہیں محفوظ رہتے۔ ۶۴

* ثانیاً: اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا اپنی حرفت وتجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے۔ یہ نہ ہوتا کہ یورپ وامریکہ والے چھٹانک بھر تانبا کچھ صناعی کی گھڑنت کرکے، گھڑی وغیرہ نام رکھ کر آپ کو دے جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں۔ ۶۵

* ثالثاً: بمبئی کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تونگر مسلمان اپنے بھائی مسلمانوں کے لیے بینک کھولتے، سود شرع نے حرامِ قطعی فرمایا ہے مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں جن کا بیان کتبِ فقہ میں مفصّل ہے؛ اسی کا ایک نہایت آسان طریقہ کتاب کفل الفقیہ الفاہم میں چھپ چکا ہے۔ ۶۶

❁ رابعاً: سب سے اہم، سب کی جان سب کی اصلِ اعظم وہ دینِ متین تھا جس کی رسی مضبوط تھامنے نے اگلوں کو مدارجِ عالیہ پر پہنچایا، چار دانگِ عالم میں ان کی ہیبت کا سکہ بٹھایا، نان شبینہ کے محتاجوں کو بلند تاجوں کا مالک بنایا اور اس کے چھوڑنے میں پچھلوں کو یوں چاہِ ذلّت میں گرایا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم ۶۷؎

مندرجہ بالا چار تجاویز پیش کرنے کے بعد اس کی روشنی میں مسلمانانِ ہند کی حالت کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

❁ اوّل پر یہ عمل ہے کہ گھر کے فیصلے میں اپنے دعوے سے کچھ بھی کمی ہو تو منظور نہیں اور کچہری جاکر اگرچہ گھر کی بھی جائے، ٹھنڈے دل سے پسند، گرہ گرہ پھر زمین پر طرفین سے دو دو ہزار بگڑ جاتے ہیں۔ کیا آپ ان حالتوں کو بدل سکتے ہیں؟ فھل انتم منتھون؟

❁ دوم کی یہ کیفیت ہے کہ اوّل تو خاندانی لوگ حرفت و تجارت کو عیب سمجھتے ہیں اور ذلّت کی نوکریاں کرتے، ٹھوکریں کھانے، حرام کام کرنے، حرام مال کھانے کو فخر و عزّت اور تجارت کریں بھی تو خریداروں کو اتنا حس نہیں کہ اپنی ہی قوم سے خریدیں، ہندو تجارت کی اصل جانتا ہے کہ جتنا تھوڑا نفع رکھے اتنا ہی زیادہ ملتا ہے اور مسلمان صاحب چاہتے ہیں کہ سارا نفع ایک ہی خریدار سے وصول کرلیں، ناچار خریدنے والے مجبور ہو کر ہندو سے خریدتے ہیں کیا تم یہ عادتیں چھوڑ سکتے ہو؟ فھل انتم منتھون؟ ۶۸؎

❁ سوم کی یہ حالت ہے کہ اکثر امرا کو اپنے ناجائز عیش سے کام ہے، ناچ رنگ وغیرہ بے حیائی یا بے ہودگی کے کاموں میں ہزاروں، لاکھوں اڑادیں۔ وہ ناموری ہے، ریاست ہے اور مرتے بھائی کی جان بچانے کو ایک خفیف رقم دینا ناگوار۔

❁ چہارم کا حال ناگفتہ بہ ہے کہ انٹرنس پاس کو رزّاقِ مطلق سمجھا ہے۔ وہاں نوکری میں عمر کی شرط، پاس کی شرط پھر پڑھائی وہ مفید کہ عمر بھر کام نہ آئے نہ اس نوکری میں اس کی حاجت پڑے۔ ۶۹؎

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دورِ جدید کے نصابِ تعلیم کی عدمِ افادیت اور اضاعت پر جو تنقید کی ہے وہ بڑی حد تک درست معلوم ہوتی ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے

اللہ میں اس علم سے پناہ مانگتا ہوں جو لوگوں کے لیے نفع بخش نہ ہو۔" جو علم دین و دنیا دونوں کے لیے غیر مفید ہو وہی غیر مفید ہے۔ ہمارے نصابِ تعلیم میں بہت سے ایسے علوم ہیں جو رسماً پڑھائے جاتے ہیں۔ ۱۴ برس میں بی۔ اے کرنے کے بعد بہت سے طاق نسیاں کی نذر ہو جاتے ہیں۔ ایک دو جن سے زندگی میں سابقہ پڑتا ہے یاد رہتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مفید تعلیم دی جائے مگر جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس کے برعکس ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے نصاب میں ایک اور خامی ہے، آرٹس اور سائنس کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ آرٹس سے انسان بنتے ہیں اور سائنس سے مشین۔ انسان، مشین کا کام نہیں کر سکتا اور مشین، انسان کا کام نہیں کر سکتی اور ہم کو بیک وقت انسان و مشین دونوں کی ضرورت ہے اس لیے ضروری ہے کہ دونوں کو نصاب میں شامل کیا جائے۔ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تجاویز پیش کرنے اور ان کا تجزیہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "یہ وجوہ ہیں، یہ اسباب ہیں، مرض کا علاج چاہنا اور سبب قائم رکھنا، حماقت نہیں تو کیا ہے جس کی زندہ مثال یہ ترکوں کا تازہ واقعہ ہے۔ ولاحول ولا قوۃ الاباللہ العلی العظیم اہل الرائے ان وجوہ پر نظر فرمائیں اگر میرا خیال صحیح ہو تو ہر شہر و قصبے میں جلسہ کریں اور مسلمانوں کو ان چار باتوں پر قائم کر دیں پھر آپ کی حالت خوبی کی طرف نہ بدلے تو شکایت کیجیے۔ ۷۰

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اخلاقی اور معاشی حالت سنورے بغیر ملّت کا میدانِ جنگ میں کودنا ناعاقبت اندیشی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ ۱۹۱۲ء اور ۱۹۲۱ء کے درمیان ترکوں پر بے پناہ مصائب آئے مگر غیر منقسم ہندوستان میں ایسے حالات نہ تھے کہ مسلمان انگریزوں سے ٹکر لیتے، ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے اور اس کی پہچان ایک دیدہ ور سیاست داں کے لیے کچھ زیادہ مشکل نہیں، یہی وجہ ہے کہ قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس زمانے میں کچھ زیادہ فعال نظر نہیں آتے۔ بہت عرصے بعد ۱۹۴۰ء میں وقت آیا جب ہندوستان کے طول و عرض میں آزادی کی بھرپور تحریک چلائی گئی جو بالآخر ۱۹۴۷ء میں کامیابی سے ہم کنار ہوئی۔ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات شدت سے محسوس کی۔ ۱۹۱۲ء اور ۱۹۲۱ء کا درمیانی عرصہ ایسا نہ تھا جس میں

آزادی کے لیے کوئی کامیاب تحریک چل سکتی۔ بے بسی میں حکومت سے ٹکر لینا ان کے نزدیک مسلمانوں کے لیے مفید نہ تھا۔ اے

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس دور میں وحدتِ ملّتِ اسلامیہ کے لیے کوشش کی جب قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ اور ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ جیسے مسلم رہنما ہندو مسلم اتّحاد کے داعی تھے۔ ۱۹۱۲ء میں قائدِ اعظم نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں فرمایا: ''قوموار اختلاف کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتا۔'' اور ہندو مسلم اتّحاد پر قائدِ اعظم کے غیر متزلزل یقین کو دیکھتے ہوئے مسٹر گوکھلے نے یہ پیش گوئی کی: ''وہ ہندو مسلم اتّحاد کے زبردست علم بردار بنیں گے۔'' ۲ے

ہندو مسلم اتّحاد کی ان فضاؤں میں مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے وحدتِ ملّی کا چراغ روشن کیا، ان کی پوری زندگی اسی مشن کے لیے وقف ہو کر رہ گئی اور اس کوشش میں انہوں نے ۱۹۲۱ء کو سفر آخرت اختیار کیا۔ سیاستِ ملّتِ اسلامیہ میں مولانا فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کردار بالکل بے داغ نظر آتا ہے۔ قائدِ اعظم اور ڈاکٹر اقبال کے سیاسی افکار میں تبدیلی کے جہاں اور اسباب ہیں وہاں ایک بڑا سبب وحدتِ ملّتِ اسلامیہ کے لیے مولانا امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بے پناہ استقامت و عزیمت بھی ہو سکتا ہے۔ جس زمین پر قائدِ اعظم نے نظریۂ پاکستان کی بنیاد پر کام کیا، اس کی تیاری میں مولانا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

مولانا محمد علی جوہر نے ڈاکٹر محمد اقبال کے لیے کہا تھا کہ ان کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانانِ ہند کے دلوں میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی لگن لگا دی، مگر یہ بہت بعد کی بات ہے؛ جس وقت ڈاکٹر محمد اقبال ہندو مسلم اتّحاد کی باتیں کر رہے تھے اور اپنے ترانوں سے ہندوستانی قومیت کا جذبہ پیدا کر رہے تھے، اُسی وقت فاضل بریلوی ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمانوں کے دلوں میں عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغ روشن کر رہے تھے، ڈاکٹر اقبال کے ہاں فاضل بریلوی کی آواز بازگشت سنائی دیتی ہے۔ ہندوستان کے بعض سیاسی و قومی رہنما انگریزوں کو مسلمانوں کا خیر خواہ سمجھتے تھے اور ہندوؤں کو بدخواہ اور بعض رہنما ہندوؤں کو خیر خواہ سمجھتے تھے اور انگریزوں کو بدخواہ۔ فاضل بریلوی ہندوؤں اور انگریزوں دونوں کو مسلمانوں کا بدخواہ

سمجھتے تھے، ہندوؤں کے خلاف انہوں نے جو جدوجہد کی اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ انگریزوں کے خلاف ان کے جذبات کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب ۱۸۹۳ء میں ندوۃ العلما کا قیام عمل میں آیا تو اس کے منشور میں یہ بات بھی سامنے آئی: ''گورنمنٹ انگریزی کا معاملہ خدا کے معاملوں کا پورا نمونہ ہے، اس کے معاملے سے خدا کی رضا اور ناراضی کا حال کھل سکتا ہے۔''[۳۷]

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اہلِ ندوہ کے اس خیال کی سخت گرفت کی، نہ صرف خلوت میں بلکہ جلوت میں بھی۔ چنانچہ ۱۹۰۰ء میں پٹنہ کے عظیم الشان جلسۂ عام میں (جو ایک ہفتہ جاری رہا اور جس میں ہندوستان کے سربراہ اور صوفیہ و علما شریک تھے) چار گھنٹے سے زیادہ طویل تقریر میں اس قسم کے خیالات پر بھی تنقید کی اور مسلمانانِ ہند کو اس سے باز رہنے کی تلقین کی۔ اس کے علاوہ اپنے رسائل ''اعلام الاعلام''، ''تدبیرِ فلاح و نجات'' اور ''الطاریٔ الداری'' میں انگریزوں کے خلاف جو کچھ لکھا ہے وہ اوپر گزر چکا۔

مآخذ و مراجع

۱۔ آپ کی پیدائش ۱۸۵۶ء میں بریلی، انڈیا میں ہوئی۔ آپ کے آباواجداد قندھار سے ہجرت کر کے پہلے ملتان پھر بریلی تشریف لے گئے۔ (تفصیل کے لیے * رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند، ص۹۸، * حیات اعلیٰ حضرت، ظفر الدین بہاری کا مطالعہ فرمائیں)

۲۔ ''مولانا امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے تھے اس پر مضبوطی سے قائم رہتے تھے۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے تھے۔'' (تاثرات ڈاکٹر اقبال بحوالہ ڈاکٹر احمد علی مرحوم، یکم اگست ۱۹۶۸ء)

۳۔ احمد سرہندی: مکتوباتِ امام ربانی، اوّل، حصۂ دوم، مطبوعہ امرتسر، ۱۳۲۳ھ، مکتوب نمبر ۶۵۰۔

(ف): جلال الدین محمد اکبر ابن ہمایوں، خاندانِ مغلیہ کا تیسرا حکمران (۱۵/ اکتوبر ۱۵۴۲ء تا ۱۷/ اکتوبر ۱۶۰۵ء)، رودِ کوثر، شیخ محمد اکرام، ص۱۵۹۔

۴۔ عبد القادر بدایونی: منتخب التواریخ، جلد دوم، مطبوعہ ۱۹۶۲ء، ص۴۹۸۔

۵۔ ایضاً۔

۶۔ احمد رضا خاں: اَنْفَسُ الْفِکَرْ فِیْ قُرْبَانِ الْبَقَرْ، مطبوعہ بریلی (انڈیا)، ص۹۔

۷۔ احمد رضا خاں: اَنْفَسُ الْفِکَرْ فِیْ قُرْبَانِ الْبَقَرْ، مطبوعہ بریلی (انڈیا)، ص۱۰۔

۸۔ احمد رضا خاں: اَنْفَسُ الْفِکَرْفِیْ قُرْبَانِ الْبَقَرْ بحوالہ مجموعہ فتاویٰ، جلد دوم، ص۱۴۸، ۱۵۵۔

۹۔ (الف) محمد سلیمان اشرف، النور، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۱ء، ص ۱۲۔

(ب) خدا بخش اظہر، مسلم لیگ، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۰ء۔

(ج) محمد عبد القدیر، ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام، مطبوعہ علی گڑھ ۱۸۲۵ء، ص ۱۔

۱۰۔ مولانا عبد الحکیم شرف قادری نے "دو اہم فتوے" کے عنوان سے ایک مجموعہ مرتب کیا ہے۔

(الف) احمد رضا خاں بریلوی: اِعْلَامُ الْاَعْلَامِ بِاَنَّ ہِنْدُسْتَانَ دَارُ الْاِسْلَامِ (۱۳۰۶ھ) مطبوعہ حسنی پریس، بریلی۔

(ب) اشرف علی تھانوی: تجزیہ الاکوان عن الربوا فی الہندوستان (۱۳۰۷ھ۔ ۱۸۸۱ء، مطبوعہ المابع، تھانہ بھون، یہ مجموعہ ۱۹۷۷ء میں لاہور میں شائع ہوا)۔

۱۱۔ احمد رضا خاں، اعلام الاعلام، ص ۲ تا ۸۔

۱۲۔ احمد رضا خاں، اعلام الاعلام، ص ۲۔

۱۳۔ عبد الحی لکھنوی، مجموعہ فتاویٰ مطبوعہ لکھنؤ، ۱۳۴۰ھ۔ ۱۹۲۱ء، ج ۱، ص ۳۰۲۔

۱۴۔ احمد رضا خاں، اعلام الاعلام، بریلی، انڈیا، ص ۷۔

۱۵۔ اِعْلَامُ الْاَعْلَامِ بِاَنَّ ہِنْدُسْتَانَ دَارُ الْاِسْلَامِ، ۱۸۸۰ء، ص نمبر ۱۰۔

۱۶۔ ایضاً۔

۱۷۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ کراچی۔

۱۸۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ کراچی۔

۱۹۔ احمد رضا خاں، دَوَامُ الْعَیْشِ فِیْ اَئِمَّۃِ مِنْ قُرَیْشْ، مطبوعہ بریلی، ص نمبر ۱۲۔

۲۰۔ احمد رضا خاں، دَوَامُ الْعَیْشِ فِیْ اَئِمَّۃِ مِنْ قُرَیْشْ، مطبوعہ بریلی، ص نمبر ۱۴۔

۲۱۔ احمد رضا خاں، دَوَامُ الْعَیْشِ فِیْ اَئِمَّۃِ مِنْ قُرَیْشْ، مطبوعہ بریلی، ص نمبر ۲۵

۲۲۔ ایضاً، ص ۲۵۔

۲۳۔ ایضاً، ص ۲۶۔

۲۴۔ ایضاً، ص ۲۶، ۲۷۔

۲۵۔ ایضاً، ص ۲۷۔

۲۶۔ ایضاً، ص ۲۷۔

۲۷۔ اخبار ہمدم، (لکھنؤ) شمارہ / نومبر ۱۹۲۲ء مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ کریں:
منور حسین، الملفوظات امیر ملّت، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ۱۸۱۔

۲۸۔ احمد رضا خاں، دَوَامُ الْعَیْشِ فِیْ اَئِمَّۃِ مِنْ قُرَیْشْ (تمہید از محمد مصطفیٰ رضا خاں) ص ۱۰۔

۲۹۔ ایضاً، ص نمبر ۱۱۔

(ف): (مارچ ۱۹۲۴ء میں خلافت ختم کر دی گئی اور ۲۰/ اپریل ۱۹۲۴ء کو مصطفیٰ کمال پاشا پہلے صدر جمہوریہ قرار پائے۔ یاد گار شخصیتیں، جواہر لعل نہرو، مترجم رفیق محمد ۲۰۰۴ء، ص ۲۰۴، مطبوعہ نئی دلی، انڈیا۔)

۳۰۔ محمد مصطفیٰ رضا خاں، فصل الخلافۃ، مطبوعہ مطبع حسنی پریس، بریلی، انڈیا۔

۳۱۔ محمد مصطفیٰ رضا خاں، طرق الہدیٰ، مطبوعہ حسنی پریس، بریلی، انڈیا۔

۳۲۔ حسن نظامی، مہاتما گاندھی کا فیصلہ، مطبوعہ دہلی، ۱۹۲۰ء۔

۳۳۔ محمد سلیمان اشرف، الرشاد، مطبوعہ ۱۹۱۹ء، ص ۱۳۔

۳۴۔ محمد جمیل الرحمٰن، تحقیقاتِ قادریہ، مطبوعہ بریلی، ۱۹۲۰ء، ص ۱۳۔

۳۵۔ محبوب علی وعبد الغفور، استفتا محررہ ذی قعدہ ۱۹۱۹ء ۱۳۳۰ھ بحوالہ تحقیقاتِ قادریہ، (مؤلفہ جمیل الرحمٰن) مطبوعہ بریلی ۱۹۲۰ء، ص ۲۷۔

۳۶۔ محمد میاں قادری، خطبۂ صدارت، مطبوعہ سیتاپور ۱۹۲۰ء، ص ۲۹، ۳۰۔

۳۷۔ (الف) عبد النبی کوکب، مقالاتِ یومِ رضا، مطبوعہ لاہور، حصّہ اوّل ۱۹۶۸ء، ص ۹۸، ۹۹۔

(ب) اخبارِ مدینہ (بجنور) شمارہ یکم اپریل ۱۹۲۰ء۔

۳۸۔ ماہنامہ السواد الاعظم (مراد آباد) شمارہ جمادی الاوّل ۱۳۳۸ھ۔ ۱۹۲۰ء، ص ۱۷، ۲۴۔

۳۹۔ اخبار ہمدم (لکھنؤ) شمارہ ۸ جون ۱۹۲۰ء۔

۴۰۔ ماہنامہ الرضا (بریلی) شمارہ ذی الحجہ ۱۹۲۰ء، ص ۵، ۶۔

۴۱۔ مولانا عبد الباری فرنگی محلی (۱۹۲۵ء) جن کو مولانا بریلوی "فاضلِ اکمل" کہتے تھے اور جو مولانا بریلوی کے مخصوصین میں تھے۔ تحریکِ ترکِ موالات میں مسٹر گاندھی کے ساتھ ہو گئے تھے اور ان کو اپنا قائد تسلیم کر لیا۔ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود ذاتی تعلّق ومحبّت کے ان کا تعاقب کیا اور سخت گرفت کی جو "اَلطَّارِیُ الدَّارِیْ لِهَفَوَاتِ عَبْدِ الْبَارِیْ (۱۳۳۹)" کے نام سے تین حصّوں میں شائع ہوئی۔

۴۲۔ پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی (ایم ایس کونئز یونیورسٹی، کینیڈا) نے اپنے ایک تحقیقی مقالے میں مولانا بریلوی کے معاشی نکات کا جائزہ لیا ہے۔ یہ مقالہ بعنوان "فاضلِ بریلوی کے معاشی نکات" ۱۹۷۷ء میں لاہور سے شائع ہو گیا۔

۴۳۔ محمد مصطفیٰ رضا خاں، طرق الہدیٰ والارشاد، مطبوعہ بریلی، ص ۸۰۔

۴۴۔ السواد الاعظم (مراد آباد) شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء، ص ۶۔

۴۵۔ ظفر الدین بہاری، حیات اعلیٰ حضرت، مطبوعہ کراچی، ص ۲۹۸۔

۴۶۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات، ۱۹۷۱ء، لاہور۔

۴۷۔ بحوالہ اوراق گم گشتہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء، ص نمبر ۲۵۹، ۲۶۰۔

۴۸۔ ایضاً، ص۲۸۰۔

۴۹۔ ایضاً، ص۲۳۷۔

۵۰۔ ایضاً، ص۲۸۵۔

۵۱۔ ایضاً، ص۲۵۰۔

۵۲۔ یہاں تحریکِ خلافت کی طرف اشارہ ہے جس میں بے دست وپا مسلمانوں کو انگریزوں سے جنگ کے لیے آمادہ کیا جارہا تھا۔

۵۳۔ یہاں تحریکِ ہجرت کی طرف اشارہ ہے جس میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کیا اور بہت سے مسلمان تباہ وبرباد ہوئے۔

۵۴۔ یہاں تحریکِ ترکِ موالات کی طرف اشارہ ہے۔

۵۵۔ احمد رضا خاں، المحجۃ المؤتمنہ بحوالہ اوراقِ گم گشتہ، ص۲۹۹۔

۵۶۔ السواد الاعظم (مرادآباد) شمارہ جمادی الاوّل ۱۳۳۹ھ۔ ۱۹۲۰ء ص نمبر ۳۰۔

۵۷۔ محمد مصطفیٰ رضا خاں، الطاریٔ الداری، حصّہ سوم، مطبوعہ بریلی، ص نمبر ۹۹۔

۵۸۔ مولانا احمد رضا خاں، الطاریٔ الداری، حصّہ سوم، ص نمبر ۹۰۔

۵۹۔ ایضاً، ص۹۵۔

۶۰۔ ایضاً، ص۲۹۔

۶۱۔ ایضاً، ص۲۱۵۔

۶۲۔ احمد رضا خاں، تدبیر ونجات واصلاح، مطبوعہ لاہور، ص۲۔

۶۳۔ ایضاً، ص۴۔

۶۴۔ ایضاً، ص۵۔

۶۵۔ ایضاً، ص۵،۶۔

۶۶۔ احمد رضا خاں، کِفْلُ الْفَقِیْہِ الفَاھِمْ فِیْ احْکَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاھِمْ (۱۹۰۶ء)۔

۶۷۔ احمد رضا خاں، تدبیرِ فلاح ونجات واصلاح، مطبوعہ لاہور، ص۶۔

۶۸۔ ایضاً، ص۷۔

۶۹۔ ایضاً، ص۸۔

۷۰۔ ایضاً، ص۹۔

۷۱۔ احمد رضا خاں، الطاریٔ الداری، حصّہ سوم، ص۹۹۔

۷۲۔ خدا بخش اظہر، مسلم لیگ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء، ص۱۴۔

۷۳۔ محمد عبد الوحید، دربارِ حق وہدایت، مطبوعہ پٹنہ، ۱۳۱۸ھ، ص۱۲۳۔

مقاصدِ تعلیم، امام احمد رضا کی نظر میں

سلیم اللہ جندران

گورنمنٹ ہائی اسکول، منڈی بہاؤالدین، پاکستان

ای میل: imamahmadraza@gmail.com

Abstract: Abstract: Purposeful ness in education is key to success in education. Education without any aim of proper purpose is sheer wastage of resources. As an educationist, Imam Ahmad Raza Khan has comprehensively identified the foundation of purposeful education. According to him, the primary purpose of education is the affirmation, implementation and transmission of Islamic religion. He has sought guidance from the teachings of the greatest educator of the world, i.e. the Holy prophet Hazrat Muhammad (Sallallah-o-Alaih –i- wa- alihee was alum) for formulating the objectives of education. He emphasizes that all branches of classical and modern knowledge should serve the cause of religion. It wills ensurs the teachers and learness success in this world and hereafter. If national objectives of education are set in the light of there guidelines it will ensure the achievement of national educational objectives with broader perspective and lasting impact.

قومی مقاصد تعلیم

۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۹۸ء تک جتنی تعلیمی پالیسیاں اور تعلیمی رپورٹیں پاکستان میں منظرِ عام پر آئی ہیں ان سب میں مندرجہ ذیل تعلیمی مقاصد معنوی لحاظ سے تقریباً مشترک ہی رہے ہیں۔ بقول ڈاکٹر محمد اقبال چوہدری:

طلبہ میں سچائی، دیانتداری، عدل، ذمہ داری، بے غرض خدمت، آزادی، خیر خواہی، فیض رسائی، قومی یکجہتی، قرآن و سنت کے مطابق کردار سازی، اخلاقی اور روحانی اقدار، اسلامی سانچہ میں ڈھلی ہوئی ثقافتی اور معاشرتی انصاف جیسی صفات پیدا کرنا، عدم مساوات، جہالت، منافقت، غربت، بیماری، استحصال جیسی برائیوں کے مکمل خاتمے کے لئے قوم کو تیار کرنا، نظریہ پاکستان کی پاسداری، روحانی، ذہنی، اخلاق، جسمانی، جذباتی، اور جمالیاتی ذوق کی ترقی کا اہتمام کرنا' اسلام سے وابستگی کو طلبہ میں راسخ کرنا، دستی کام اور محنت کی عظمت کا احساس پیدا کرنا، سائنسی، فنی اور زرعی تعلیم کو عام کرنا، مھد سے لحد تک تعلیمِ مسلسل کو ٹھوس بنیادوں پر استوار کرنا، بنیادی تعلیم کو سب کے لئے لازمی قرار دیناوغیرہ۔

دنیا کی ہر مہذب سوسائٹی اپنے نظریہ حیات کے مطابق تعلیمی ڈھانچے مرتب کرتی ہے، مقاصد کا تعین اسے پیشِ نظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔ڈاکٹر شوکت حسین شاہ(۱۹۹۷ء) اپنے مضمون ''تحفظِ پاکستان اور مقاصدِ تعلیم ''میں لکھتے ہیں، ''پاکستان کی اساس اسلام اور محض اسلام ہے جو نظام تعلیم کا محور ہونا چاہیے۔ تعلیمی مقاصد بھی اسی کے تابع ہوں گے۔ چنانچہ شکر ہے کہ تعلیمی پالیسیاں مرتب کرتے اس حقیقت کو فراموش نہ کیا گیا۔ ''کہ تعلیمی مقاصد کے تعین میں قرآنِ حکیم اور سنّتِ نبوی ﷺ سے ماخوذ اقدار ہی سب سے بڑا سرچشمہ ہیں۔ چنانچہ ہمارے نظامِ تعلیم کی اہم ترین قدر جس کی بنیاد پر ہمیں مقاصد کی تشکیل کرنی ہے وہ رضائے الٰہی عزوجل کا حصول ہے۔

امام احمد رضاخان بریلوی کی نظر میں مقاصد تعلیم

استاد کی کامیابی کا بڑا انحصار اس بات پر ہے کہ اسے مقصد تعلیم کا گہرا شعور ہو۔ اگر اس کے نزدیک حصول تعلیم کا مقصد محض معاش یا شکم پروری ہے تو اس سے شاید ''معیارِ زندگی'' تو بہتر ہو جائے مگر ''معیار انسانیت'' نہ بڑھ پائے گا۔ مقصدِ تعلیم اگر رضائے الٰہی کا حصول ہے تو زندگی میں توازن آئے گا۔ امام احمد رضاخان کے نزدیک تعلیم کے اہم مقاصد مندرجہ ذیل تھے۔

خدا شناسی و خدا رسی

فاضلِ بریلوی حصولِ تعلیم کا مقصد خدا شناشی اور خدا رسی قرار دیتے ہیں۔ اگر حصول تعلیم کا مدّعا و غایت صرف یہ ہو کہ اسے حصول زر کا ذریعہ بنالو تو آپ اس کی مخالفت فرماتے ہیں: "رزق تعلیم میں نہیں، وہ تو رزاق مطلق کے پاس ہے، وہ خود بندوں کا کفیل ہے۔" آپ اس ضمن میں نبیِ پاک ﷺ کی حدیث پاک کا حوالہ دیتے ہیں: "جو شخص علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بناتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو بگاڑ دے گا اور اسے اس کی ایڑیوں پر واپس لوٹا دے گا اور دوزخ کی آگ اس کے زیادہ لائق ہے۔" ڈاکٹر مشتاق الرحمن صدیقی (۱۹۹۸ء) لکھتے ہیں: "محض معاش کو مقصد بنانے والا استاد شاید کچھ امتحانی معلومات تو طلبہ تک منتقل کرنے میں کامیاب ہو جائے، لیکن "فیضانِ نظر" والی بات فوت ہو جائے گی۔"

دینِ متین کی برتری

امام احمد رضا کے نزدیک "تعلیم کا اصل اعظم دینِ متین کا حصول اور اس پر عمل ہے" آپ فرماتے ہیں: "سب سے زیادہ، سب کی جان، سب کی اصل اعظم وہ دین متین تھا جس کی رسی مضبوط تھامنے سے اگلوں کو ان مدارج عالیہ پر پہنچایا۔۔۔ اور اسی کے چھوڑنے سے پچھلوں کو یوں چاہ ذلت میں گرایا۔"(۳: ۱۵۹)
الحاج لعل خان کے نام اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ دنیوی علوم کا حصول اگر اس نیت سے کیا جائے کہ اس سے دین کا مفاد مقصود ہو تو وہی تعلیم دین بن جائے گی۔ چوہدری حمایت علی (۱۸/ جون ۱۹۹۵ء) روزنامہ پاکستان، لاہور میں امام احمد رضا کے نظریہ تعلیم کے تحت لکھتے ہیں کہ آپ کے نزدیک "وہ علوم جن کی تعلیم سے دین فہمی کی خدمت نہ لی جائے وہ یقیناً اس قابل ہیں کہ ان کی تعلیم سے منع کیا جائے۔ دین و دنیا میں مفید علوم کو ہی شامل نصاب کیا جائے۔"(۱۱)

عشق مصطفی ﷺ کا حصول

جذبہ عشقِ رسولِ ﷺ بیدار کرنے سے عوام الناس کے قلوب و اذہان منور ہوتے ہیں، جس کے نتیجے میں ان کے دلوں میں باہم محبت، مروّت اور اخوّت جنم لیتی ہے جو ایک صالح معاشرہ کی تشکیل میں بے حد معاون ثابت ہوتی ہے۔ امام احمد رضا کا سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ آپ نے لوگوں کے دلوں میں

جذبہ عشقِ رسولِ ﷺ زندہ و تاباں کیا۔ آپ کے نزدیک زندگی کے تمام امور خواہ وہ سندِ افتاء، درس و تدریس یا مقاماتِ سیاسیات و معاملاتِ معیشت و معاشرت ہوں یہ جذبہ ہی رہنما ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر نذیر احمد مغل وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی جام شورو امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۸ء کے نام پیغام میں رقم طراز ہیں: ''حضرت امام احمد رضا عشقِ رسول ﷺ میں اس قدر سرشار تھے کہ ان کی رگ و پے سے محبتِ رسول ﷺ کی خوشبو آتی تھی ان کی نشست و برخاست گفتگو، کلام کا رنگ اور فکر و خیال کا مرکز صرف اور صرف ذات نبوی ﷺ تھی۔'' پروفیسر ڈاکٹر محمد عاشق خان درانی وائس چانسلر بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان مجلہ امام احمد رضا (۱۹۹۹ء) میں تحریر فرماتے ہیں: ''تحریکِ سرسید نے جس عقل پرستی کو عام کیا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک نے اس کے بالمقابل دلوں کو عشقِ مصطفی ﷺ سے گرمایا۔ اس جذب سے سوزِ یقین پیدا کیا۔ عالمِ اسلام کے لیے اتحاد کی خاطر عشقِ مصطفی ﷺ کو ہی جذبہ محرک بنایا جاسکتا ہے۔'' فاضلِ بریلوی اسی والہانہ عشق کا فروغ طلبہ کے اندر بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر (۱۹۹۶ء) لکھتے ہیں:

فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ بھی بلبل شیراز اور شاعرِ مشرق کی طرح مدحِ رسول ﷺ کی دنیا کا مردِ قلندر ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ سعدی اور اقبال کی شاعری میں نعتِ رسول ﷺ بھی ہے، مگر فاضل بریلوی کی شاعری نعت سے ہی عبارت ہے۔ ان کی نوکِ زبان و قلم صرف نعتِ مصطفی ﷺ سے ہی آشنا ہے۔ ان کی شاعری عشقِ مصطفی ﷺ کا نام ہے۔

عصمتِ انبیا علیہم السلام

امام احمد رضا خان کے نظریہ تعلیم میں شانِ الوہیت اور شانِ رسالت کے بعد عصمتِ انبیا علیہم السلام کی تعلیم بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ عبدالستار طاہر (۱۹۸۹ء) لکھتے ہیں کہ آپ نے اپنے ترجمۂ قرآن ''کنزالایمان'' میں اس حوالے سے کہیں بھی لغزش کا ثبوت نہیں دیا ہے۔

عظمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روشناسی

آپ فرماتے ہیں: ''تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم فرض ہے اور ان میں سے کسی پر طعن حرام اور ان کے مشاجرات میں خوض ممنوع۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے۔ اذکر اصحابی فامسکوا

پیشہ ورانہ تعلیم

آپ فرماتے ہیں: "تاجر تجارت، مزارع زراعت، اجیر اجارے غرض ہر شخص جس حالت میں ہے اس کے متعلق احکام شریعت سے واقف ہونا فرض عین ہے۔"

علومِ قدیمہ وجدیدہ برائے تفہیمِ دین

"تمام علوم خواہ قدیمہ ہوں یا جدیدہ ان کا مقصد دین کا فہم حاصل کرنا ہو۔ قرآن وحدیث وتفسیر سے دین فہمی کا مفہوم تو ظاہر ہے اسی طرح طبیعیات وارضیات سے پانی اور مٹی کی ماہیت وکیفیت اور احوال معلوم کیے جائیں تاکہ بدن، لباس، جائے سجدہ کی طہارت کے مسائل فقیہہ معلوم ہو سکیں۔ علم ریاضی سے فرائض میراث اور پانی کی قلت وکثرت کے مسائل کا استخراج ہو سکے۔ علم توقیت کو نماز، روزہ، حج وغیرہ کے اوقات متعین کرنے کے لیے استعمال کیا جائے۔ علم مناظر ومرایا سے رویتِ ہلال اور علمِ کیمیا سے اشیاء کی قلبِ ماہیت وغیرہ کی پہچان کی جائے۔"

تعلیم برائے فلاح مسلمین

لکھتے ہیں " علم ہیئت، ہندسہ، زیج، لوگارثمات اور فنون ریاضی میں میری مشغولیت حصولِ مہارت کے لیے نہیں، بلکہ محض تفریحِ طبع کے طور پر ہوا کرتی ہے۔ ہاں بعض دفعہ روزہ اور نماز کے اوقات کی تحدید کے لیے اور مسلمانوں کے فائدے کی خاطر نظام الاوقات مرتب کرنے کے لیے فنون مذکورہ کی جانب بالقصد متوجہ ہوتا ہوں۔" مثلاً فلاحِ مسلمین کے لئے آپ نے علوم ہندسہ کو استعمال کرتے ہوئے شہر علی گڑھ کا قبلہ نکالا تھا اور اس کی سمت کا تعین فرمایا تھا۔

للّٰہیت

امام صاحب نے اپنے تمام متوسلین ووابستگان کو یہ نصیحت کر رکھی تھی کہ دست سنت میں جلب منفعت کا خیال بھی دل میں نہ لائیں کہ یہ خدمت خالصتاً لوجہ اللہ ہو۔"

علمی وقار اور خودداری

تعلیمی وتدریسی عمل میں علمی وقار اور خودداری نہایت ضروری ہیں۔ امام احمد رضا کی معاشی حالت قابلِ رشک نہ تھی۔ ایک دفعہ آپ سے کسی نے کہا کہ ریاست نان پارہ کے نواب کا قصیدہ لکھیں وہ بہت انعام سے نوازے گا۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

کیف و سکون

تحصیلِ علم سے سکون و وقار اور مہابت و محبت کا سماں پیدا ہونا چاہیے۔ اس ضمن میں اعلیٰ حضرت ایک حدیث پاک کا حوالہ دیتے ہیں "علم سیکھو اور علم کے لئے وقار و سکون سیکھو اور جس استاد سے تم نے علم سیکھا اس کے سامنے تواضع اختیار کرو۔"

علم و عمل دونوں کا وجوب

تزکیہ نفس اور تطہیر باطن کے لیے آپ علم و عمل دونوں کا وجوب اور اجتماع لازمی قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں: "بغیر علم کے صرف عمل تصوف زندقہ وگمراہی ہوتا ہے اور عمل کے بغیر صرف علم خالی مٹکہ کے مشابہ ہے جس میں کچھ بھی نہیں۔ ایسے لوگوں کو صوفی نہیں، بلکہ متصوف کہا جاتا ہے یعنی بِلا تکلیف صوفی بننے والا۔"(۱۸۔ ۵۰)

طلباء کیلئے عملی جہاد کی تربیت

باپ پر عائد خاص پسر کے حقوق کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ باپ بیٹے کو "لکھنا پیرنا، سپہ گری سکھائے، سورۃ المائدہ کی تعلیم دے۔"

تعلیم نسواں

باپ پر جو فرائض اولاد کی تعلیم سے متعلق ہیں ان کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "..... اسے سینا، پرونا، کاتنا، کھانا پکانا سکھائے، سورہ نور کی تعلیم دے۔" "دختر کو نیک پارسا عورت سے پڑھوائے.... ریا پردہ اس میں استاد و غیر استاد عالم و غیر عالم، پر سب برابر ہیں"(۲۰: ۱۱۲)

فلسفہ تعلیم سے لازمی واقفیت

کسی خاص فلسفہ یا مقصد کے بغیر تعلیم سراسر تو ضیع اوقات ہے۔ فرماتے ہیں "وہ بے سود و تضیع اوقات تعلیمیں جن سے کچھ کام دین تو دین، دنیا میں بھی نہیں پڑتا وہ صرف اس لئے رکھی گئی ہیں کہ لڑکے ایں و

آں و مہملات میں مشغول رہ کر دین سے غافل رہیں کہ ان میں حمیت دینی کا مادہ ہی پیدا نہ ہو وہ یہ بھی نہیں جانیں کہ ہم کیا ہیں؟ اور ہمارا دین کیا ....؟" (۷: ۹۳)

تعلیم میں سائنس کی اہمیت

سائنس کی تعلیم کو امام احمد رضا خان طلبہ کے لئے نہایت ضروری سمجھتے ہیں۔ صاحبزادہ سید خورسید احمد گیلانی (م۱۹۹۸ء) لکھتے ہیں: "علم الکیمیا سے علم الادویہ اور شماریات سے ارضیات اور جغرافیہ سے معاشیات تک ایک طویل اور وسیع سلسلہ ہے جس کی ایک ایک کڑی فاضل علیہ الرحمۃ نے اپنے ہاتھ سے سنواری ہے۔" (۱۷: ۸۰) ڈاکٹر عبدالقدیر خان (۲۴ مئی ۱۹۹۸ء) لکھتے ہیں: "آپ کی ہمہ جہت شخصیت کا ایک اہم پہلو سائنس سے شناسائی بھی ہے۔ سورج کو حرکت پزیر اور محوِ گردش ثابت کرنے کے ضمن میں آپ کے دلائل بڑے اہمیت کے حامل ہیں۔" (۱۵: ۲۱) امام احمد رضا خان بیک وقت مفتی، مفسر، محدث، محقق، فلسفی، سائنس دان، ہیئت داں، ماہر علوم فلکیات و جفر اور طب و ریاضی تھے محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی رضا جوئی اور دین فہمی کی نیت سے ان تمام علوم کو حاصل کریں۔ امام احمد رضا خان طلبہ و اساتذہ میں سائنسی مہارتوں کی کمی پر بہت افسوس فرماتے ہیں خود لکھتے ہیں: "اوقات صحیح نکالنے کا فن جسے علم توقیت کہتے ہیں ہندوستان کے طلبہ تو طلبہ اکثر علماء اس سے غافل ہیں نہ وہ درس میں رکھا گیا ہے نہ ہئیات کی درسی کتابوں سے آسکتا ہے" (بحوالہ مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۸ء)

ملی تشخص کا احیاء:

محدث بریلوی کے تعلیمی افکار میں مسلم تشخص کے احیاء کا نظریہ بڑا واضح ہے۔ آپ روز اول سے دو قومی نظریہ کے علمبردار رہے اور آخر عمر تک اس کے لئے کوشاں رہے۔ اپنی تقاریر و تصانیف کے ذریعے عوام میں بھی اسلامی تشخص و انفرادیت کے تصور کو نمایاں طور پر اجاگر کرتے رہے۔ آپ فرماتے ہیں: "انگریز ہندو سے بدتر اور ہندو انگریز سے بدتر ہے۔ غیر مسلم چاہے انگیز ہوں یا ہندو یا کوئی اور عظمت مصطفی ﷺ کے خیر خواہ نہیں ہوسکتے۔" بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں برصغیر میں تشکیل پانے والے ہندو مسلم اتحاد کو مسلمانوں کے ملی تشخص کی تباہی کا پیش خیمہ قرار دیا۔ آپ نے مسلمانوں کو باور کرایا کہ وہ کسی ہندو کو

قائد بنانے کی بجائے اپنی الگ تنظیم قائم کریں۔ پنجاب یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر شیخ امتیاز علی رقمطراز ہیں: ”جنگ عظیم اول کے بعد ملکی سیاست کے ہنگامہ خیز دور میں ”ترک موالات“ اور ”تحریک ہجرت“ کے خلاف مولانا احمد رضا خان کے فتوے نیز ”متحدہ قومیت“ کے بارے میں ان کے بیانات آپ کی سیاسی بصیرت کا ثبوت ہیں (۱۰: ۱۵۳)۔

فروعی اختلافات میں الجھاؤ سے گریز:

فاضل بریلوی اپنی تعلیمات و افکار کے ذریعے امت مسلمہ کو فروعی اختلافات میں الجھنے اور باہم دست و گریباں ہونے سے بچنے کا درس دیتے ہیں۔ ابوالنور محمد بشیر کوٹلوی ”ملفوظات حصّہ اول“ کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

ایک روز ایک ندوی مولوی صاحب اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: جناب! میں ایک ضروری بات کے لئے حاضر ہوا ہوں وہ یہ کسی کو برا نہیں کہنا چاہیے اس لیے کہ صائب نے کہا ہے:

دہن خویش بدشنام میالا صائب

کیں ز قلب بہر کس کہ وہی باز دہد

اعلیٰ حضرت نے فرمایا، آپ نے بجا فرمایا۔ جہاں اختلافات فرعیہ ہوں جیسے باہم حنفیہ و شافعیہ وغیر ھما، وہاں ہرگز ایک دوسرے کو برا کہنا جائز نہیں اور فحش و دشنام جس سے ذہن آلودہ ہو وہ کسی کو بھی نہ چاہیے۔ (۱۶)

کفر و منافقت سے قطعی ترکِ تعلق:

امام احمد رضا خان جہاں امت مسلمہ کو باہم اتحاد و اتفاق اور یگانگت کا درس دیتے ہیں، باہم فروعی اختلافات پر لڑنے جھگڑے سے سختی سے روکتے ہیں، وہاں آپ کفار اور منافقین کے ساتھ مسلمانوں کی دوستی کو بالکل روا نہیں سمجھتے۔ اگرچہ صدرِ اسلام میں منافق لوگ مسلمانوں میں گھلے ملے رہے۔ ساتھ نماز پڑھتے رہے۔ مجالس میں شریک رہے، مگر اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں اللہ رب العزت نے واضح ارشاد فرمادیا تھا: وما کان اللہ لیذر المومنین ما انتم علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب۔ ”اللہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑنے کا نہیں جس پر تم ہو جب تک جدا نہ کردے گندے کو ستھرے سے۔“ (۸: ۱۷۹) مزید فرمایا

گیا:یا ایھاالنبی جاھدا لکفار و المنافقین و اغلظ علیھم۔"اے نبی ! جہاد کرو کافروں اور منافقوں سے اور ان پر شدت کرو، سختی کرو۔ اعلیٰ حضرت کے ان ملفوظات سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے ابو النور محمد بشیر کوٹلوی لکھتے ہیں:

اسلام کی منشا یہ ہے کہ وہ کھرے کو کھوٹے سے الگ کر دکھائے۔ حق اور باطل کی آمیزش نہ ہو، امام احمد رضا خان ہمیشہ اس موقف پر ڈٹے رہے۔ بیسویں صد کے ابتدائی ربع میں متحدہ قومیت کے مسئلے پر آپ کا اکثریتی علما سے یہی اختلاف تھا کہ ہندوؤں اور انگریزوں دونوں کی قیادت و معاونت یا اشتراک سے کام کرنے کی بجائے مسلمان الگ اپنے پلیٹ فارم سے، اپنی مسلم قیادت کے تحت جدوجہد آزادی کے لیے رواں دواں ہوں۔ غیر مسلم، یہودی وعیسائی کبھی بھی مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔

قدرت الٰہیہ پر یقینِ کامل:

امام احمد رضا طلبہ کو قدرتِ الٰہیہ پر یقینِ کامل کے جذبے سے سرشار دیکھنا چاہتے ہیں۔ آپ طلسمات، نجوم پرستی، اوہام پرستی کے خود بھی قائل نہیں اور طلبہ کو بھی اس سے روکتے ہیں۔ "حیات اعلیٰ حضرت" میں ہے:

ایک روز مولوی محمد حسین صاحب موجد طلسمی پریس کے والد ماجد ماہر علوم نجوم نے ستاروں کی وضع سے زائچہ بنا کر امام احمد رضا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ اس ماہ پانی نہیں ہے آئندہ ماہ ہو گا۔ یہ دیکھ کر اعلیٰ حضرت نے فرمایا اللہ کو سب قدرت ہے چاہے تو آج بارش ہو۔ میں ستاروں کے ساتھ ستاروں کے واضع اور اُس کی قدرت بھی دیکھ رہا ہوں۔ سامنے وال کلاک لگا ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے ان سے وقت پوچھا وہ بولے سوا گیارہ بجے ہیں۔ فرمایا بارہ بجنے میں کتنی دیر باقی ہے بولے پون گھنٹہ۔ آپ اٹھے اور بڑی سوئی کو گھمادیا فوراً ٹن ٹن بارہ بجنے لگے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ فرما رہے تھے ٹھیک پون گھنٹہ بارہ بجنے میں ہے۔ وہ بولے کہ آپ نے اس کی سوئی کھسکائی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ رب العزت جل جلالہ قادر مطلق ہے جس ستارے کو جس وقت چاہے جہاں چاہے پہنچا دے۔ اتنا زبان سے نکلنا تھا کہ چاروں طرف سے گھنگھور گھٹا آگئی اور پانی برسنے لگا۔

فلسفی رکھتا ہے ان اسباب پر اپنی نظر
اور مومن کی نظر ہے خالق اسباب پر

بانی مدینتہ الحکمت، ہمدرد یونیورسٹی، حکیم محمد سعید (۱۵ر محرم الحرام ۱۴۱۸ھ) اپنے ایک خط حوالہ نمبر ذ/ب/۹۸/ ۱۳۲۵۰ر بنام ادارہ تحقیقات امام احمد رضا' کراچی، میں رقم طراز ہیں:

”فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان کا مقصد حیات علم و حکمت کا فروغ تھا۔ ان کے افکار میں رفعت تھی۔ عقائد کی صحت پر کامل اور غیر متزلزل ایمان وایقان ان کا وہ ممتاز وصف تھا جو ان کے دعوت و تبلیغ کے ہر گوشے خاص کر تبلیغی مساعی میں نمایاں اور روشن ہوتا تھا۔ علم و حکمت کے مختلف موضوعات پر ان کی صدہا تصانیف سے ان کی انفرادیت نمایاں ہے۔“(۲۱: ۳۰)

مقاصد صحیحہ سے عاری تعلیم پر امام احمد رضا کا اظہار خیال:

کسی بھی کام، منصوبہ، سرگرمی، تحریک، تنظیم، تعلیم، تدریس میں کامیابی کے حصول کے لیے سب سے پہلے اس کے مقاصد کا تعین اور وہ بھی ہر لحاظ سے موزوں، مکمل، درست، قابل عمل اور قابل حصول مقاصد کا تعین لازمی ہے۔ مقاصد صحیحہ سے عاری تعلیم سراسر بے سود ہوتی ہے اور ترقی کے بجائے زوال کا سبب بنتی ہے۔

امام احمد رضا خان متوفی (۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) ایسی تعلیم کی ناگفتہ بہ حالت کا یوں ذکر کرتے ہیں:

تعلیم کا حال ناگفتہ بہ ہے۔ انٹرنس پاس کو رزاق مطلق سمجھا جاتا ہے۔ وہاں نوکری میں عمر کی شرط، پاس کی شرط، پھر پڑھائی وہ مفید کہ عمر بھر کام نہ آئے نہ اس نوکری میں اس کی حاجت پڑے۔ ابتدائی عمر کہ تعلیم کا زمانہ ہے یوں گنوائی اب پاس ہونے سے جھگڑا ہے تین تین بار فیل ہوتے ہیں اور پھر لپٹے چلے جاتے ہیں اور قسمت کی خوبی کہ مسلمان ہی اکثر فیل کیے جاتے ہیں پھر تقدیر سے پاس بھی مل گیا تو اب نوکری کا پتہ نہیں اور ملی بھی تو صریح ذلت کی اور رفتہ رفتہ دنیاوی عزت بھی پالی تو عندالشرع کہئے ہزار ذلت کہئے پھر علم دین سیکھنے اور دین حاصل کرنے اور نیک و بد میں تمیز کرنے کا وقت کون سا آئے گا۔ لازماً نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین کو مضحکہ سمجھتے ہیں۔ اپنے باپ دادا کو جنگلی، وحشی، بے تمیز گنوار، نالائق، بے ہودہ، احمق، بے خرد جاننے لگتے ہیں بغرض غلط اگر ترقی بھی ہوئی تو نہ ہونے سے کروڑ درجے بدتر ہوئی۔ تو کیا تم علم دین سے غفلتیں ترک کرو گے؟ فھل انتم منتھون۔ (۹: ۱۶۱)

ماخذ و مراجع

۱۔ ماہنامہ الرضا بریلی، شمارہ ربیع الاخر و جمادی الاول ۱۳۳۸ھ، ص ۹۔

۲۔ امام احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، ص ۲۲، مطبوعہ بیسلپور (انڈیا)

۳۔ امام احمد رضا خان، مکتوب بنام لعل خان کلکتہ محررہ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ، مشمولہ حیات صدرالافاضل مطبوعہ لاہور، ص ۱۵۹۔

۴۔ امام احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، ص ۱۵۱۔۱۳۳، مطبوعہ ادارۂ تعلیمات امام احمد رضا، کراچی۔ ۱۹۸۸ء۔

۵۔ امام احمد رضا خان، الاجازۃ المتینۃ العلماء بکۃ والمدینہ، ص ۳۱، مشمول رسائل رضویہ، جلد دوم، مکتبہ حامدیہ، لاہور ۱۹۸۶ء۔

۶۔ امام احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، ص ۲۱، بیسلپور۔

۷۔ امام احمد رضا خان المحجۃ الموتمنۃ فی آیات الممتحنۃ بشمول رسائل، رضویہ جلد دوم، مکتبہ حامدیہ، لاہور، ص: ۹۳۔

۸۔ امام احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، ص:۱۷۹، بیسلپور۔

۹۔ امام احمد رضا خان، مکتوب بنام الحاج لعل خان، محررہ صفر ۱۳۳۹ھ، مشمولہ حیات صدر الافاضل، مولفّہ سید غلام معین الدین نعیمی، مطبوعہ لاہور، بار دوم، ص:۱۶۱۔

۱۰۔ امتیاز علی، شیخ، دو قومی نظریہ اور سنی علماء و مشائخ، تحریک پاکستان نمبر، ماہنامہ "کنز الایمان"، مرتبہ زین العابدین ڈیروی، ص ۱۵۳، اگست ۱۹۹۵ء، لاہور۔

۱۱۔ حمایت علی چوہدری، امام احمد رضا کا نظریہ تعلیم، روزنامہ پاکستان، ۱۸؍جون ۱۹۹۵ء، لاہور۔

۱۲۔ شوکت حسن شاہ، ڈاکٹر، "تحفظ پاکستان اور مقاصد تعلیم" ص ۸۱۔۸۸، تربیت اساتذہ، مولفہ ڈاکٹر ابراہیم خالد، پاکستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن، اسلام آباد، (۱۹۹۷ء)

۱۳۔ مشاق الرحمٰن صدیقی، ڈاکٹر/پروفیسر، تعلیم و تدریس، پاکستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ص ۲۴۸، ۱۹۹۸ء۔

۱۴۔ عبد الستار طاہر، معارف رضا ۱۹۹۸، ص ۱۳۰، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی

۱۵۔ عبد القدیر خان، ڈاکٹر، پیغام بنام امام احمد رضا کانفرنس، محررہ ۲۴ مئی، ۱۹۹۸ء، مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۸ء، ص ۲۱، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی۔

۱۶۔ ابو النور محمد بشیر کوٹلوی، سنّی علما کی حکایات، فرید بک اسٹال اردو بازار لاہور۔

۱۷۔ خورشید احمد گیلانی، "ایک نابغہ عصر"، مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۸ء، ص ۸۰، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی۔

۱۸۔ مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۶ء، امام احمد رضا اور تصوف، ص ۵۰، اداۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی۔

۱۹۔ محمد اقبال، ڈاکٹر چوہدری، قومی تعلیمی مقاصد اور نظام امتحانات، ص ۵۸۱۔ ۵۹۰، تربیت اساتذہ، مولفہ ڈاکٹر محمد ابراہیم خالد، پاکستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن، اسلام آباد (۱۹۹۷ء)

۲۰۔ محمد جلال الدین قادری، امام احمد رضا کا نظریہ تعلیم، ص ۱۱۲۔ ۶۳، رضا دار الاشاعت، لاہور۔

۲۱۔ محمد سعید، حکیم، مکتوب بنام صدرِ ادارہ بحوالہ نمبر ذ/ت/ ۹۸/ ۱۳۲۵۰/ ۱۵، محرام الحرام ۱۴۱۸ھ، ص، ۳۰، مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۸ء، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی۔

۲۲۔ محمد عاشق خان، درانی، ڈاکٹر/پروفیسر، پیغام بنام امام احمد رضا کانفرنس، محررہ ۳جون ۱۹۹۷ء، ص ۲۸، مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۸ء، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی۔

۲۳۔ نذیر احمد مغل، ڈاکٹر مکتوب/ پیغام مشمولہ مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۸ء، ص ۲۷، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی۔

بک ریویو

ڈاکٹر سلیم اللہ جندران

منڈی بہاء الدین، پاکستان

تبصرہ

نامِ کتاب: "معارفِ رضا" جلد ۳۱ [۲۰۱۱ء] (ISSN 2079-8563)

ٹائپ: اسلامی تحقیقی جریدہ (سالنامہ ایڈیشن)

ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی، پاکستان۔

۲۵، جاپان مینشن، دوسری منزل، ریگل چوک، صدر، کراچی۔

پوسٹ کوڈ: ۷۴۴۰۰

فون: ۰۲۱-۳۲۷۲۵۱۵۰

ای میل: imamahmadraza@gmail.com

قیمت: ۱۵۰ روپے / ۷/ امریکی ڈالر

صفحات: ۱۳۳

سائز: ۷/ انچ x ۹.۴/ انچ

چیف ایڈیٹر: سید وجاہت رسول قادری

ایڈیٹر: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

ایسوسی ایٹ ایڈیٹر: پروفیسر دلاور خاں

سالنامہ معارفِ رضا۲۰۱۱ء کا تعارف:

"معارفِ رضا" ایک اسلامی تحقیقی مجلّہ ہے، جو مفکّرِ اسلام امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات، تحقیقات، متعلّقات، تنقیدات المعروف "رضویات" کے حوالے سے مختلف مضامین پیش کرتا ہے۔ رضویات اور اس کے تمام ذیلی عنوانات کا اس میں تذکرہ کیا جاتا ہے کہ یہ جریدہ امام احمد رضا کی مذہبی، سماجی، معاشی، نفسیاتی، اقتصادی، تعلیمی، سائنسی اور ادبی خدماتِ عالیہ سے دنیا کو روشناس کرارہا ہے۔ امّتِ مسلمہ کو موجودہ دور میں درپیش مسائل اور اُن کا عصرِ حاضر کے تناظر میں مؤثر حل اس کے اداریوں کا خاص موضوع رہا ہے۔

"معارفِ رضا" کے مشمولات کے متعلق تاثرات:

"معارفِ رضا" ۲۰۱۱ء سالنامہ کا اداریہ (الف تا ک) صفحات پر مبنی ہے۔ مدیرِ اعلیٰ صاحبزادہ سیّد وجاہت رسول قادری صاحب کے تحریر کردہ ہے۔ اداریہ میں "علم" کی تعریف، علم کی اہمیت وفضیلت، علم لَدُنّی، علم وحکمت کے مقاصد، علم وحکمت کی تعلیم اور تربیت میں معلّمِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ، صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، علما و اولیائے اُمّت رحمہم اللہ تعالیٰ کا ذکرِ خاص شامل ہے۔ اس میں ابتدائیہ و افتتاحیہ کے بعد بطور مضمون (سبجیکٹ) رضویات کی اہمیت و افادیت، جامعیت اور مطالعاتی ضرورت کے حوالے سے نہایت مدلّل انداز میں نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہے۔ اس پس منظر سے رضاشناسی کی ضرورت نکھر کر سامنے آتی ہے اور یہ اداریہ بجا طور پر ایک Thematie Editorial کا تاثر پیش کرتا ہے۔

اصلاحِ معاشرہ اور اسلامی معاشرے کی تشکیل رضویات کا اہم پہلو ہے۔ سراج احمد بستوی صاحب کا مضمون صفحہ نمبر ۱ تا ۱۴، اوّلین مضمون کی حیثیت سے اس شمارے کی زینت بنا ہے۔ یہ مضمون خرافات اور لغویات اور فضولیات سے پاک معاشرے کے قیام کی دعوت دیتا ہے۔ یہ ہر شہری کا خواب بھی ہے۔

صفحہ نمبر ۱۵ تا ۲۸ ڈاکٹر محمد مالک صاحب کا مضمون ''امام احمد رضا کا نظریۂ شخصیت'' پیشِ خدمت ہے۔ یہ مضمون تعلیمی نفسیات سے متعلق ہے۔ بالخصوص بی۔ ایڈ درجے کی تعلیمی نفسیات کے طلبہ کے لیے خصوصی افادیت کا حامل ہے۔ اس مضمون میں طب و تعلیم کا امتزاج جھلکتا ہے۔

صفحہ ۲۹ تا ۴۸ عبدالحکیم شرف قادری صاحب کا مضمون ''العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ کی انفرادی خصوصیات'' کو مذہبی، سائنسی، تعلیمی، تحقیقی، صحافتی نقطۂ نظر سے جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے جو کہ چونیتس (۳۴) مآخذ و مراجع سے مزین ہے۔

صفحہ نمبر ۴۹ تا ۵۷ پر اُشا سانیال کا مضمون محمد عبید الرحمٰن صاحب کے اردو ترجمے کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ مضمون ''یو پی کے برکاتی سادات کی صوفیانہ روایات'' سے متعلق ہے۔ تاریخی تناظر میں یہ مضمون متعلقاتِ رضویات کے خصوصی گوشے سے منسلک ہے۔ رضویات کو عصریات کے تناظر میں سمجھنے سے محققین حقائق تک جلد پہنچ سکتے ہیں۔

صفحہ نمبر ۵۹ تا ۷۴ سید نور محمد قادری صاحب کا مقالہ ''اعلیٰ حضرت کی ملّی خدمات'' کی صورت میں قلم بند ہے۔ یہ مضمون ''رضویات اور پاکستانیات'' سے متعلق ہے۔ تاریخ و مطالعۂ پاکستان کے طلبہ کے لیے یہ مضمون نہایت دل چسپ اور معلوماتی ہے۔ اس میں مسلم نظریۂ تشخص کو رضویات کی روشنی میں دوٹوک انداز میں اجاگر کیا گیا ہے۔

صفحہ نمبر ۷۵ تا ۹۰ ر ریاض مجید صاحب کا نہایت پُر مغز مضمون ''امام احمد رضا کی اُردو نعت گوئی'' مطالعہ و استفادہ کے لیے رقم شدہ ہے۔ اردو میں نعت گوئی جناب ریاض مجید صاحب کا اہم موضوعِ تحقیق ہے۔ اقبال اکادمی پاکستان کی طرف سے محترم ڈاکٹر ریاض مجید صاحب کی مایہ ناز تصنیف ''اردو میں نعت گوئی'' ۱۹۹۰ء میں طبعِ اوّل کے طور پر شائع ہوچکی ہے۔ اس کتاب کے پانچویں باب: عصرِ جدید کی نعت گوئی میں احمد رضا خاں بریلوی، حسن رضا خاں بریلوی کا تذکرہ صفحات ۴۰۸ تا ۴۲۳ مختلف مفکرّین اور اُدبا کی آرا کے ساتھ پھیلا ہوا ہے، جس سے قارئین مزید استفادہ کرسکتے ہیں۔ یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ محترم ڈاکٹر ریاض مجید صاحب راقم الحروف کے ایم۔ ایڈ مقالہ:

Na'at: Need and Scope in English Curriculum in pakistan (1999)

مطبوعہ نیشنل بک فاؤنڈیشن پاکستان (اسلام آباد، ۱۹۹۹ء) کے سپر وائزر بھی رہ چکے ہیں۔ یہ مجھ پر اُن کا احسان سمجھیں یا موضوعِ نعت سے اُن کی عقیدت کہ جب گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن فیصل آباد میں پرنسپل پروفیسر ڈاکٹر محمد انوار چوہدری صاحب نے اُنہیں نگرانِ مقالہ کی حیثیت سے گورنمنٹ کالج فیصل آباد سے وائوا (Viva) کے لیے بلایا تو جاتے ہوئے محترم ڈاکٹر محمد انور چوہدری صاحب نے مجھے لفافے میں کچھ رقم (Cash) محترم ڈاکٹر ریاض مجید صاحب کو پیش کرنے کے لیے دی۔ موصوف نے مجھے یہ کہہ کر لفافہ واپس کرنے کا حکم دیا "نعت (Na'at) ایسے موضوع پر کام کروانا میں اپنی جیب سے بھی باعثِ سعادت سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو اس کا صلہ عطا فرمائے! (آمین)

صفحہ ۹۱ تا ۱۰۰ اشبیر حسین رضوی صاحب کا مضمون "امام احمد رضا اور علومِ عقلیہ" شاملِ جریدہ ہے۔ اس مضمون کا بنیادی تعلق علمیات و تعلیمات سے ہے۔ اس میں علم کی تعریف / انسان کی تعریف تحقیقاتِ رضا کی روشنی میں پیش کی گئی ہے۔ مزید بر آں اُن علومِ عقلیہ پر مبنی امام احمد رضا خاں کی تصانیف کا خاکہ بھی تعداد کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔

جریدے کے صفحات ۱۰۱ تا ۱۱۲ (۱۲ صفحات) مجید اللہ قادری صاحب کے مقالہ: "اقسامِ مٹی، مسئلہ تیمم اور تحقیق رضا" سے مزیّن ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب کا تعلق جیالوجی / پیٹرولیم ٹیکنالوجی کے شعبے سے ہے۔ مقالہ نگار نے واضح کیا ہے کہ امام احمد رضا خاں نے پہلے پچھلے بارہ سو سال کے فقہائے کرام کی کتب کا مطالعہ کر کے ۷۵/ اشیاء کی فہرست مرتّب کی جن سے تیمم جائز ہے اور پھر اپنی تحقیق سے اس میں ۳۷ کا اضافہ کر کے اس کی کل تعداد ۱۳۰/ تک پہنچا دی۔ اس طرح کل ۳۱۱/ اقسام کی فہرست مرتب فرمائی جن میں سے ۱۸۱ سے تیمم جائز رکھا گیا جبکہ ۱۳۰ سے ناجائز قرار پایا۔

موصوف کا یہ مضمون رضویات کے انسائیکلوپیڈیا کے گوشۂ "ارضیات" سے متعلق ہے اور سائنس کو مذہب کے آئینے میں مطالعہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

صفحہ نمبر ۱۱۳ تا ۱۲۶/ اختتامی مضمون کے طور پر محمد زبیر صاحب کا مضمون "مسلکِ اعلیٰ حضرت کا ترجمان، ہفت روزہ الہام" (بہاولپور): اعلیٰ حضرت نمبر کا تحقیقی مطالعہ جریدہ میں شامل ہے۔

اس تجزیاتی و تاثراتی مضمون میں امام احمد رضاخاں کی حیات و خدمات کے حوالے سے ۱۳ر مختلف مضامین کا ذکر کیا گیا ہے۔ ترویجِ رضویات کے ضمن میں یہ جائزہ ابلاغیات کے فورم سے پیش کیا گیا ہے۔ موصوف محمد زبیر جائزہ کار ''الہام'' کے محترم ایڈیٹر کے مذکورہ ہفت روزہ نمبر میں شامل (صفحہ نمبر ۳) سے یہ الفاظ بطور نمونہ پیش کرتے ہیں:

''جس متبحر عالمِ دین، مجدّدِ ملّت اور نابغۂ روز گار شخصیت کے متعلق یہ نمبر ترتیب دیا گیا ہے اس کی ہمہ گیری کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی شخصیت کے ایک ایک گوشے کو اُجاگر کیا جائے اور اس کی علمی و دینی خدمات کا بھرپور جائزہ لیا جائے۔'' (ص:۱۱۵، معارفِ رضا سالنامہ ۲۰۱۱ء)

بقول محمد زبیر ''الہام'' کا اجراء معروف صحافی، مصنّف شاعر، افسانہ نگار، جناب شہاب دہلوی نے ۱۹۴۰ء میں دہلی سے کیا اور قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں ''الہام'' اپنے مالک و ایڈیٹر کے ساتھ بہاولپور منتقل ہو کر ادب، سیاست، مذہب کے حسین امتزاج اور نئی ترجیحات کے ساتھ ہر سُو خوشبو بکھیرنے لگا۔

اختتامی صفحات میں کسی بھی ریسرچ جرنل کے لیے ''تبصرۂ کتب'' کے کالم کی روایت اکثر مشاہدے میں آتی ہے۔ سالنامہ ''معارفِ رضا'' ۲۰۱۱ء کا باقاعدہ الوداعی مضمون تبصرۂ کتب کے عنوان سے معنون ہے۔ محترمہ ڈاکٹر تنظیم الفردوس صاحبہ نے اس عنوان کے تحت عبدالنعیم عزیزی صاحب کے پی۔ایچ۔ڈی مقالہ مطبوعہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی (۲۰۰۸ء) صفحات ۶۷۷ (مجلد) پر اپنا تبصرہ صفحات ۱۲۷۔ ۱۳۳ پر پیش کیا ہے۔ عبدالنعیم عزیزی صاحب نے یہ مقالہ ۱۹۹۴ء میں روہیل کھنڈ یونیورسٹی بھارت میں پیش کر کے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی تھی۔ امام احمد رضا پر تحریر شدہ پی۔ایچ۔ڈی مقالات کی جو فہرست ''معارف رضا'' سالنامہ ۲۰۰۳ء میں صفحہ ۱۵۴ پر درج ہے وہاں اس مقالے کا عنوان ''اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی'' درج ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب بھی اسی عنوان مقالہ: ''اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی'' کے تحت ہی شائع ہوئی ہے۔ موصوف نے مقالے کے ابواب کا اجمالی تعارف طریقِ تحقیق، کتابیات، ابتدائیات کا اجمالی تعارف اپنے تبصرے میں پیش کیا ہے۔

مقالے کے مصنّف کے علمی و تصنیفی تعارف اور مرتبے کو بھی تبصرے میں شامل کیا گیا ہے۔ مقالہ نگار نے جس اختصار اور جامعیت کے ساتھ تحقیقی امور کو اپنے مقالے میں سمیٹا ہے اُس کی اس تبصرے میں تعریف کی گئی ہے۔ تاہم وہیں رسمیاتِ تحقیق کے تحت اس مقالے کے آخر میں دیے گئے کتابیات کے اندراجات میں چند ایک کمزوریوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، مزید یہ بھی نشان دہی کی گئی ہے کہ کتاب میں رسمی نوعیت کی تقریظ، تاثرات، پیش لفظ سے احتراز کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔

سالنامہ معارفِ رضا ۲۰۱۱ء کے نمایاں محاسن:

(۱) زیرِ تبصرہ جریدے میں شامل تمام مضامین کلاسک رائٹرز کی رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہیں۔

(۲) اداریے سمیت جریدے میں شامل دس (۱۰) مقالات حوالہ جات / متعلقہ کتابیات سے مزیّن ہیں۔ ادارے کے سنِّ قیام ۱۹۸۰ء سے لے کر آج تک شائع ہونے والے "معارفِ رضا" کے سالناموں میں یہ موجودہ جریدہ فنّی و تحقیقی معیار کے حوالے سے ممتاز نظر آتا ہے۔

(۳) دائرۂ رضویات سے منسلک مذکورہ مضامین میں سات (۷) کا تعلق سوشل سائنسز اور دو (۲) کا تعلق فزیکل سائنسز سے ہے۔

(۴) سالنامے میں اندرون و بیرونِ ملک ہر دو مقامات سے مقالات کی نمائندگی ہوتی ہے۔ چھے مضامین مقامی اور تین مضامین غیر مقامی مصنّفین کی تحقیق کا ثمر ہیں۔

(۵) تمام مقالات یکساں (Uniform) فارمیٹ پر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سب کے آغاز میں انگریزی زبان میں یک پیرایہ (Abstract) اور اہم الفاظ (Keyword) کی فہرست دی گئی ہے جس سے مضمون کی تفہیم میں قاری کو مدد مل جاتی ہے۔

(۶) تبصرۂ کتب کے کالم میں زیرِ تبصرہ سالنامے میں ایک محترم خاتون رائٹر کی بھی نمائندگی موجود ہے جو کہ ویمن رائٹرز کے لیے دائرۂ رضویات میں مزید تحقیق کے لیے حوصلہ افزا قدم ثابت ہو سکتا ہے۔

(۷) موجودہ سالنامے کی طباعت اچھے کاغذ پر کی گئی ہے۔ کمپوزنگ کے لیے فاؤنٹ سائز مناسب منتخب کیا گیا ہے۔ سرورق کا ٹائیٹل سادہ اور پروقار ہے۔

(۸) سالنامہ "معارفِ رضا" کو ایک ریسرچ جرنل کے معیار پر ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگرچہ اس کے ہر مضمون کا تعلق انفرادی طور پر الگ الگ ڈسپلن سے منسلک نظر آتا ہے مگر مجموعی طور پر ۲۰۱۱ء کا یہ جریدہ نوخیز ڈسپلن (Emerging Descipline) رضویات اسٹڈیز کا خوب ترجمان دکھائی دیتا ہے۔ آرٹس اور سائنس کے مختلف شعبوں میں اسلامی رضویاتی تناظر میں اعلیٰ تعلیم و تحقیق کی راہ پر گامزن طلبہ کے لیے یہ مجلّہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔

"معارفِ رضا" کے سالانہ ایڈیشن کے فنّی و موضوعی حُسن و نکھار اور تحقیقی معیار میں اضافے کے لیے چند معروضات:

(۱) رسالے میں اگرچہ کلاسک (معیاری) مواد شامل ہے مگر بہتر ہو تا کہ سارے مضامین قبل ازیں غیر شائع شدہ اس میں شامل ہوتے۔ مثلاً زیرِ تبصرہ جریدے کا مضمون: امام احمد رضا اور علوم عقلیہ از علامہ مفتی شبیر حسن رضوی، قبل ازیں معارف سالنامہ ۱۹۹۳ء / ۱۴۱۴ھ میں صفحات ۱۲۱۔۱۲۸ پر شائع ہو چکا ہے۔ موجودہ مضمون میں انگریزی زبان میں Abstract اور Key Words کا اضافہ کیا گیا ہے اور Quotations اور Citations کا اندراج جدید طریقے پر کیا گیا ہے۔

(۲) مآخذ و مراجع کا اسٹائل تمام مقالات کے آخر میں ایک جیسا ہونا چاہیے تھا۔ بعض مضامین کے آخر میں حوالہ جات (References) دیے گئے ہیں اور بعض کے آخر میں متعلقہ (Bibliography) دی گئی ہے۔ یہ فرق صفحہ ۴۶؍۴۷ اور صفحہ ۸۹ پر دی گئی مآخذ و مراجع کی فہرستوں میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ بہتر ہو گا کہ ہر مضمون کے آخر میں ریفرنسز کی مکمل فہرست ہو اور مزید مطالعے کے لیے کتابیات (Bibliography) کی الگ فہرست دے دی جائے۔ اور حوالہ جات سے قبل خلاصہ (سمری) بھی پیش کیا جائے۔

(۳) مستقبل میں ''معارفِ رضا'' کے معیارِ تحقیق میں مزید بہتری کی خاطر اگر اس موجودہ جریدے کے آخر میں مسوّدے کی تیاری کے لیے راہ نما اصول کے تحت دیے گئے فارمیٹ کو ملحوظ رکھ لیا جائے مثلاً:

''تعارف / لٹریچر ریویو / طریقۂ کار / تحدید / اعتذار / مقاصدِ تحقیق / تحقیق کی تفصیل / خلاصۂ تحقیق / نتائج / عملی اطلاق / ماخذ و مراجع'' کو اختیار کیا جائے تو تمام مضامین کا تحقیقی معیار مزید بہتر ہو سکتا ہے۔

(۴) اگرچہ موجودہ مجلّے میں تمام مضامین مواد کے حوالے سے اپنے اپنے موضوع پر منفرد انداز میں لکھے گئے ہیں تاہم مستقبل میں اگر امام احمد رضا خاں کے افکار و نظریات کا اطلاقی پہلو (Applied Perspective) بھی درجہ وار اُجاگر کیا جائے تو رضویاتی تحریروں کے انسانی عمل کا حصّہ بننے کا امکان زیادہ روشن ہو گا۔ یہ تبھی بہتر طور پر ممکن ہو گا کہ مصنفینِ کرام اپنے اپنے مقالات و نگارشات میں ان کے اہم پہلوؤں کا متعلقہ مضامین میں ''عصرِ حاضر میں اطلاق'' کا گوشہ واضح طور پر اجاگر کریں۔

(۵) پاکستان اور اُمّتِ مسلمہ جن اہم مسائل سے آج کل دوچار ہے مثلاً اقوامِ عالم میں علمی برتری کیسے؟، ''اتّحادِ امّت کا خواب کیسے تعبیر پا سکے؟، موجودہ عالمی حالات میں پاکستان کی خارجہ پالیسی کیسی ہو؟ ''اخلاقی گراوٹ اور زبوں حالی کا ازالہ کیوں کر ہو؟ ترقی پذیر ممالک کے لیے خود انحصاری وخود کفالت کا روڈمیپ؟ اکابرین واسلاف کے علمی ورثے کی دنیا کی دیگر زبانوں میں منتقلی وترویج، ''پاکستان کے لیے لینگوتج پالیسی''، میڈیم آف انسٹرکشن،۔۔۔۔۔ اِن جیسے موضوعات پر بھی رضویاتی ادب سے استقرائی واستخراجی طریقے سے حاصل شدہ مواد کے تحت مقالات ترتیب دلوائے جائیں تو اس سے اس جریدے کی مقبولیت اور اثر پزیری میں مزید اضافہ ممکن ہو گا۔

(٦) تبصرۂ کتب کے کالم میں اگر متعلّقہ کتاب کے ٹائیٹل کا عکس اسکین (Scan) کر کے تبصرے کے ساتھ شائع کر دیا جائے تو اس سے مزید دل چسپی پیدا ہو سکتی ہے۔ نیز موجودہ جریدے میں ۱۹۷۵ء میں شائع ہونے والے ایک ہفت روزہ اور ۲۰۰۸ء میں شائع ہونے والی ایک کتاب کا ریویو پیش کیا گیا

ہے۔ ان کے ساتھ اگر کسی تازہ ترین کتاب جو کہ ۲۰۱۰ء یا ۲۰۱۱ء کے اوائل میں شائع ہوئی ہو اُس پر بھی تبصرہ جریدے میں شامل ہوتا تو وہ قارئین کے لیے تازہ ترین (Latest) خبر ہوتی۔

(۷) مقالہ نگاروں کو اُن کے مضامین کی اگر معقول تعداد میں (Off-Prints) یعنی انفرادی طبع شدہ کاپیاں 25-20 کی تعداد تک دے دی جائیں تو مصنّف اس طرح اپنی تحقیق کو متعلقہ حلقۂ احباب تک پہنچانے میں آسانی محسوس کرے گا اور اس سے رضویات کا بہتر ابلاغ بھی ہو سکے گا۔

"معارفِ رضا" کے مدیرِ معاون پروفیسر دلاور خاں صاحب کی اطلاعات کے مطابق اس جریدے کو ہائر ایجوکیشن کمیشن سے Recognized Journals کی لسٹ میں شامل کروانے کے لیے مطلوبہ مراحل کی تکمیل کے بعد ربط و مراسلت جاری ہے۔ قومی و عالمی سطح پر "معارفِ رضا" پر اس کی وسیع مقبولیت کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس جریدے میں پیش کردہ تجزیات، تاثرات، نتائج، حقائق کو ممکنہ حد تک ایسے الفاظ سے مزیّن وملبوس کیا جائے جن سے مصنّف کی جذباتی وارفتگی کم اور قاری کے لیے Readability میں روانی و سلاست اور (Impartial Realistic Analysis) غیر جانب دارانہ حقیقت پسندانہ تجزیے کا عنصر زیادہ عیاں ہو۔ اگرچہ مصنّف کے لیے کُلّی طور پر ذاتی احساسات و جذبات کو جدا رکھنا خاصا مشکل ہوتا ہے بہر حال اس ضبط سے تحقیق کا معیار اور تاثر بہتر ہو جاتا ہے۔

نیز گذشتہ روایات کے مطابق "معارفِ رضا" کا سالنامہ ایڈیشن اردو کے ساتھ ساتھ معارفِ رضا (عربی)، معارفِ رضا (انگریزی) بھی باقاعدہ بنیادوں پر شائع کرنے کا اہتمام ہو سکے تو مستحسن ہو گا۔

The Role of interest in Socio-Economic Exploitation

Saqib Muhammad Khan.

Research scholar: Karachi University, Karachi.

Email: saqibkca@yahoo.com

Abstract: Usury is declared unlawful in Islam. However, the conduct and teachings of the Holy Prophet appreciate trade. Traders are given glad tidings and Muslims are encouraged for trading as it results in overall prosperity of the nation. Usury is the contrast of the Islamic concept of trade and it exploits economically not an individual but the entire nation. Hence, the holy Quran and Hadith condemn usury to the extent that it is declared a war against Almighty Allah. Moreover, severe consequences are declared for those who are involved in usury so that Muslims always remain far away from interest for the prosperity and economic stability of the entire community.

Interest in widespread in our society. Today on one seems to be safe form involvement in interest. Due to its wide implication and involvement in our lives, several discussions are being held regarding its impact on morals of people and its effects on social values and property of societies. This article discusses the role of interest in socio-economic exploitation of people. It looks significant to discuss the definition and legal status of interest in lslam prior the discussion about its role in socio-economic exploitation.

1) What is interest?

The Holy Prophet is reported to have said,

كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبٰوا۔ [1]

Translation: "Any addition on loan is interest."

In the light of ahadih of the Holy Prophet, the religious scholars have outlined the definition of interest as,

هُوَ الْقَرْضُ الْمَشْرُوْطُ فِيْهِ الْاَجَلُ وَزِيَادَةُ مَالٍ عَلَى الْمُسْتَقْرِضِ۔ [2]

Translation: "The loan which is given for a certain period on the condition.
That the borrower will return the actual loan with addition."

Hazrat Ali ﷺ said, "any benefit taken on loan is usury."

2) Two major types of interest

The literal meaning of "الربٰوا" is addition or increase. There are two major types of interest:

(i) Riba Anasiya
(ii) Riba Alfadal

Here Riba Anasiya refers to that additional amount which is to be paid along with the actual amount of loan. Such as someone is given a loan of Rs. 100/- for a certain with a condition that the borrower will return more than Rs.100/- e.g. Rs.150/- or Rs. 180/-. This additional Rs.50/- or Rs. 80/- is usury or interest. This is called Riba Anasiya.

However, Riba Alfadal is the usury which is caused bue to increase or decrease or borrowing the six items; gold, silver, wheat, barley, date and salt. For example, in order to trade wheat for wheat it is obligatory that it should be equal in quantity and it should be done at a time. If there is any increase or decrease or if one is on cash and other is borrowed or if both are borrowed, all three conditions are usury. Hence the trade of one kg wheat with one and half kg wheat is usury. Similarly, to get some better quality items in teturn of any cheap degree thing is usury. For example getting half kg dates in return of one kg scrap papers is usury.[3]

3) Interest is unlawful:

Following verses and ahadith testify that interest is unlawful and forbidden in islam.
Almighty Allah says in the Holy Quran:

وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا۔ [4]

Translation: "whereas Allah has made trading lawful and fordidden usury."[5]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ [6]

Translation: "O people who believe! Do not devour usury doubling and quadrupling it; and fear Allah, hoping that you achieve success." [7]
The Holy Prophet ﷺ is reported to have said,

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَمُوكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ۔ [8]

Translation: "Hazrat Jabir رضی اللہ عنہ Said, "Allah's Messenger ﷺ cursed the person who charges usury,the one who pays it, the two witnesses and the one who writes the contract, saying: "They bear the same responsibility."

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلرِّبٰوا سَبْعُوْنَ حُوْبًا اَيْسَرُهَا اَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ اُمَّهٗ۔ [9]

Translation: "Hazrat Abu Huraira رضی اللہ عنہ reports that Holy Propget ﷺ said, "Riba has seventy segments, the least serious being equivalent to a man committing adultery with his own mother."

4) Role of trade in economic prosperity:

Before discussing the hazardous effects of interest on economy, it seems likely to explan the role of trade in the economic prosperity of any community and its connection with islam and life of the Holy Prophet ﷺ. Below is the brief discussion on the importance of trade in economic Below is the brief discussion on the importance of trad in economic Below is the brief discussion on the importance of trade in economic prosperity and in teaching of the Holy Prophet ﷺ.

Trade is vital to the success of a civilization. Trade is simply the trading of something for something else. This can be one good for another good, one good for money, one good for a service, a service for a good, money for a service, etc. in short, trade is an exchange of things.

Communities of yesterday and today have thrived because they were able to work out trade in order to get what they didn't have from other people and hive what they did have to other people. In this way, if one country plants a lot of grain ut not so much rice and peple like to eat both, it can give some hrain to the rice-growers, get some rice from them, and eat both.

This is true for other goods besides food. Machinery, oil, cars, plastics and electronics are all examples of things that one country produces to sell, exchange, or give to another country. Nearly every single day, trade keeps communities prospering. Planes land and take off, ships dock and leave port, trucks unload and load again – all bringing goods from one peple to another and taking other goods to other people.

However, one fundamental principle of trade is that one should buy goods and services from a country which has the lowest price, and sell his goods and services to a country which has the highest price. This is good for the buyers and for the sellers. In addition, the less developed countries have the opportunities to accelerate the pace of their economic development. They can import machines and adapt foreign technology. They can send their scholars and technocrats to more progressive countries to gain more knowledge and skills which are relevant to the particular needs of their developing economies.

No nation can survive without trade with other countries. If every country produces only for its own needs, the production and consumption of goods would be limited. Clearly, such situation hampers economic progress. Furthermore, the standard of living of the people all over the world would have no chance to improve. Because of trade, people with money can acquire goods and services which are not available in their own countries.

Hence, peoples and countries and civilizations need to trade because they can't produce by themselves everything they need to survive. This is where trade comes in. Trade keeps the populations of the world running.

5) Importance of trade in Islam:

All teachings and practices of Islam base and focus on the life and sayings of the Holy Prophetﷺ The Holy Quran states his life as the best pattern and a model of excellence to follow.[10] An insightful study of the entire history of Islam endorses that obedience to Allah and the Holy Prophetﷺ is replete with individual and collective gains here and hereafter. On the contrary, disobedience of the Holy Prophetﷺ is damaging, deadly and disastrous. That is why when the Holy Quran highlights the necessity and utility of obedience to Almighty Allah it also stresses the urgency of obedience to the Holy Prophetﷺ. Hence in order to understand the traits of economic prosperity, it is incumbent for every Muslim to follow his conduct and sayings in this regard.

It is interesting to know that trade was an intrinsic characteristic of the Holy Prophetﷺ. He belonged to Quraish tribe who were traders by profession as the word "Quraish" also stands for "one who trades or earns"[11]. Due to their constant trade towards Syria and Palestine they became financially good and stable. In fact all Makkans were traders at that time. The famous historian strabo says, each and every arab was involved in trade either he was a trader himself or simply an agent for trade." [12]

The Holy Prophetﷺ apparently adopted the profession of trade as it was his family profession. The ancestors of the Holy Prophetﷺ were famous because of trade. His father, Hazrat Abdullahرضی اللہ عنہ was also a trader; he went to Syria for trading just after a month of his marriage and on the return of the same journey he died.

At the time of marriage with Hazrat Khadijaرضی اللہ عنہا the Prophetﷺ was a notable trader and everyone was full of praise for his proficiency in trade and his excellence in honesty and trustworthiness. It was the time when the Holy Prophetﷺ had visited Syria, Yemen and Bahrain for trade.[13] Therefore, when he took the merchandise of Hazrat Khadijaرضی اللہ عنہا to Syria, he surprised the renowned traders of his time with his exceptional intellect and proficient principles of trade. He took exceeding care of the rights of the purchasers which made his business a great success and he managed to earn twice of the provious trades. Consequently, Hazrat Khadija-tul-Kubra رضی اللہ عنہا who had rejected many influential readers for marriage, herself sent request for marriage with the Holy Prophetﷺ. So, Tahira of Arabia and the most honest and trustworthy of the world hot married.

It is also a fact that the Holy Prophetﷺ had visited Yemen with his uncle Zubair at the age of ten in a trading journey. Abu Talib, Being the guardian of the Holy prophetﷺ also trained him for trade. He took the Holy Prophetﷺ to Syria in a trading journey when the Prophetﷺ was only twelve years old. His second journey to Syria was with hazrat Abu Bakrرضی اللہ عنہ when he was twenty years of age. From the same journey his friendship with abu baker flourished.[14]

The Holy Prophetﷺ, in this way, was not only acquainted with international trading from very early but he also learnt the widespread vices of Arabs in trade from these journeys. According to biographers, Allah made His Beloved Prophetﷺ adopt trading as it develops qualities of leadership and teaches modes of discourse, convincing others and assessment of people. The in-depth discussion of sale and purchase found in the traditions of the Holy Prophetﷺ also reflects his experience and expertise in trade.

The Holy Prophetﷺ continued the trading profession after prophethood too. He always incited his companions for trade. He used to keep his share with the traders and would describe principles of trade and its benefits. It is the reason that whoever got closer to the Holy Prophetﷺ became a successful trader.

Hazrat Abu Bakar رضی اللہ عنہ was the closest companion of the Holy Prophetﷺ, he was a famous trader of Arab and bue to his trade he was able to donate thousands of dirhams for the cause of islam and helped Islam so much that he stands unparalleled. The second caliph, Hazrat Umar رضی اللہ عنہ was also a trader. It was blessings of the trade that when he married with hazrat umme Kulsoom رضی اللہ عنہا the daughter of Hazrat Ali رضی اللہ عنہ, he gave 40000 dirhams as dower.[15] the third caliph Hazrat Uthman رضی اللہ عنہ was also a prestigious trader; he bought 'Beer-e-Roma' for 45000 dirhams for Muslims and once his caravan of one thousand laden came to Madina, he heard that the Holy Prophetﷺ said if Uthman رضی اللہ عنہ distributes the provisions of this caravan amongst poor, he would get paradise. Upon hearing this, he did not only distribute the provisions but also the camels amongst the poor. Of course, a rich trader can dare such acts. Hazrat Abdul Rehman bin Auf رضی اللہ عنہ was also a close companion of the Holy Prophetﷺ and a famous trader. He gave 40000 dirhams cash, 500 horses and 1000 camels for the sake of Allah on different occasions. It was the blessings of the Holy Prophet's teachings that when Hazrat Zubari رضی اللہ عنہ died as a trader, he left the property of 3 billion and 1.2 million[16]. Similarly Hazrat Talha bin Ubaid رضی اللہ عنہ who was also a trader, used to distribute meal worth of 1000 dinars every day[17]

In short, there were thousands of companions who, after the teachings and incitation of the Holy Prophetﷺ had abandoned other professions and started trade and because of trade they thrived not only in the world but also in religion.

The Holy Prophetﷺ used to say that 99% blessings are found in trading, therefore you should go for trading as trade builds the nation and bring prosperity. He is reported to have said,

التاجر الصدوق الامین مع النبین والصدیقین والشہداء۔[18]

Translation: "An honest and truthful trader will be accompanied with prophets, Truthful (Siddique) and martyrs on the Day of judgment."

This Hadith does not only incite believers for trading but also elaborates the secret of success which is honesty and truthfulness. In addition, the Holy Prophetﷺ always appreciated hardworking. He is also reported to have said,

العبادۃ سبعون جزا وافضلہا طلب الحلال۔[19]

Translation: "worship has seventy components and the best of them is to earn fairly."

The above discussion reveals that trade was the preferred means of earning to the Holy Prophetﷺ. His family members were traders, he himself being a trader, incited and appreciated trade. All those who followed him prospered economically and as a result, Muslims emerged as an inspiring and ruling nation. Hence in order to acquire economic prosperity, it is incumbent to promote the national behavior towards trade.

6) interest- the barrier in the economic prosperity:

Interest is the contrast of trade, contrary to the Holy Prophet's teachings, it discourages people to do trade or work hard. Rather, it makes people think of depositing their wealth somewhere and delight with a constant profit every month without any labour. This attitude cannot be considered as equivalent to trade as it restricts the wealth to some institutions or

people only which bars the prosperous and smooth flow of the economy. For example, if people purchase shawls from a businessman, it would increase the demand of its production. This demand will lead the progress of the clothing industry, dying industry, yarn work and more cotton would be harvested and consequently, the entire economy would grow. On the contrary, with the evil of interest, people take out their wealth from markets and invest in any interest-dealing bank as it gives them profit without any hard work.

It is argued that banks also help in trade and give loan for those who want to start a business but lack capital. This is not true as the total system of bank is suicidal for the whole nation. We must know that according to Islamic jurisprudence, there can be two conditions for giving loan either in the form of help or trade. In case of help, there should not be any demand of profit or benefit from the loan as it is intended for help only. And in case of trade, it is obligatory to share the profit as well as suffer the loss. It is not possible to only enjoy the profit and remain indifferent from the loss!

Trade is open to the risk of loss as well as to making profit. On the other hand, all interest based in banks are aimed at bringing guaranteed gains for the lender in any case. This is the major difference between the two. Any transactions involving a guaranteed return for the lender, under all circumstances, are usurious and, therefore, unlawful and forbidden.

The proper method of investing is to decide a percentage of share e.g. 40% in both loss and profit. It cannot be done that the borrower gives 40% profit on the loan even if he suffers heavy loss in his business. It is completely unlawful and leads towards economic ruin.

The very practice is the main element which makes depositing wealth in the banks malicious because in the case of bank, a number of times it happens that the borrower suffers a major loss but he gives the said interest (profit) to the bank (lender). It also happens that the borrower has much more profit from the loan but he gives the same decided limited percentage to the lender. This unbalanced situation does not let any nation thrive. For example, if someone takes loan of one billion from a bank to initiate his business, the bank lends the amount from the money of depositors. In other words, it is the money of the entire nation. So the person begins the business from the wealth of whole nation and has 100% profit. Now he has two billion, out of which he gives 15% i.e. 1.5 million to the bank and the bank extracting its commission and expense gives 7% to its depositors. Consequently, people whose wealth is invested in the business get Rs.10/- on Rs.100/- and this depositor feels satisfied that his Rs.100/- rupee has now become Rs.110/-. On the contrary, he does not know that as per the benefit his Rs.100/- should have become Rs. 200/-.

Moreover, the businessman also retrieves back the amount of Rs.10/- from the depositors in a way that he includes the 15% in his cost of production. As a result cost of the goods increases 15% more. So when the people (depositors) buy goods they pay 15% more. In this way, the Rs.10/- given by the bank is taken back on the other hand. In reality, out of Rs.100/- the depositors get Rs.95/- as 15% goes to the cost of the product. While the borrower enjoys 85% profit alone. It leads to cost accumulation in the society which results in high inflation of the country.

In addition, if any bank lends one billion for a business but the borrower suffers loss and the bank gets bankrupted. In this way too, all the money of the depositors is lost. Hence in this system of interest, nation suffers the loss constantly and if there is any benefit it goes to the borrower. So, the wealth of the nation is being squeezed to some influential people only. As a result, they control the flow of money into the market and thereby impose their wishes and interests rather than seek to meet the needs of the people or serve them. Their aim is to maximize

their own profits, even if that causes suffering and deprivation of millions. This situation is termed as concentration of wealth in economics that develops the differences and hatred between rich and poor in the community which also results in severe prejudice against each other. Ultimately, due to this system of usury the entire nation economically declines and dilapidated.

It is said in the Holy Quran,

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ [20]

Translation: "Allah destroys usury and increases charity; and Allah does not like any ungrateful, excessive sinner." [21]

The Holy Prophetﷺ also said,

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الرِّبٰوا وَاِنْ كَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَهٗ تَصِيْرُ اِلٰى قُلٍّ۔ [22]

Translation: "Hazrat Abdullah bin Masoodؓ reports, "The Holy Prophetﷺ said: "Even when interest is much, it is bound to end up into paltriness."

The above veres and Hadith of the Holy Prophetﷺ categorically declare that money that includes interest is always destroyed. It apparently results in deprivation and destitution of the nation who live in turmoil and constant insecurity. There is evidence that no society has built its economy on interest. In fact these societies are far away from the real prosperity, peace and security. The entire community lack social welfare, integrity, tolerance, compassion and open-handedness. Therefore the Holy Prophetﷺ said that to have interest is just like to commit adultery with one's mother. So every Muslim ruler is required to combat usury and those who pursue it.

All those who deal with interest are referred in the Holy Quran as,

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ۔ [23]

Translation: "Those who devour usury will not stand up on the Day of judgement, excep like the one whom and evil jinn has deranged by his touch."[24]

Just like a mad person, who, out of his mental state harm people and hurt them brutally, one who devour interest also gets crazy and brainsick in pursue of wealth. He gets indifferent form the feelings of care, love, brotherhood and kindness. He does not care how much hazardous effects are there due to unlawful practice. He does not bother that how many people suffer and undergo miserable conditions because of him. It is the reason when such person comes on the day of judgement, he would come like the one whom an evil jinn has deranged by his touch. Above all, Allah Almighty declares the dealing of interest as an open war with Allah and His beloved prophetﷺ.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ O فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ

رَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۔ [25]

Translation: "O People who believe! Fear Allah and forego the remaining usury, if you are Muslims. And if you do not, then be certain of a war with Allah and His Noble Messenger; and if you repent, take back your principal amount; neither you cause harm to someone, nor you be harmed." [26]

It should be noted that this announcement of war is not with any other major sin. People drink wine, commit adultery, eat pork and do many other wrong acts but none of the sin is denounces so strongly as culprits of usury affect the Psychological, economic, and emotional aspects of life. These people, like sharks, prey on businesses, industries and overall commerce. Their predatory activities are the root cause of high inflation, high taxation and poverty, the outcome is economic deprivation, moral degradation, social disintegration and the inevitable collapse of human civilization.

It is now apparent that interest is the main cause in socio-economic exploitation of a nation. The practice of interest in any society results in its ruin. Hence, there is a need of a persistent campaign against interest in order to rid the Muslim society of this cruel evil so that Muslim societies may be spared the socio-economic exploitation and injustice.

REFERENCE

1 Al-jame As-saghir, Ma'arif Al-Quran, 'Sood-Allah aur Rasul sey jang', Al-Ilm, Karachi, 2011, pg.6.

2 Imam jassaas, Ahkaam Al-Quran, 'Sood-Allah aur Rasul sey jang', Al-Ilm, Karachi,2011, pg6.

3 Assan-ul Bayan, 'Sood-Allah aur Rasul sey jang', Al-Ilm, Karachi,2011, pg7.

4 Holy Quran: Surah Al-Baqara: 2: 275

5 Ahmad Raza, 'Kanz-ul-Imaan', English Translation 'The Treasure of Faith' by Aqib Farid, Razivi Kitaab Ghar, Delhi, India, 2009.

6 Holy Quran: Surah Aal-i-Imran: 3: 130.

7 Ahmad Raza, 'Kanz-ul-Imaan', English Translation 'The Treasure of Faith' by Aqib Farid, Razivi Kitaab Ghar, Delhi, India, 2009.

8 Imam Muslim bin Hajjaj, Sahih Muslim, English translation by Abd-al-Hamid Siddiqui Adam Publishers & Distributors, Dehli, India, Edition, 2000, Book 10, Hadith, 3881, Pg.958.

9 Imam Muhammad bin Yazid bin Majah, Sunan Ibn-e-Majah, Kitab Al-Tijarat, Bab al-taghlizi fi al-riba; Hadith:431, Darussalam Publishers.

10 Holy Quran: Surah Al-Ahzaab: 33:21

11 Hafiz Muhammad Arif Ghanchi, 'Rasool Akram bahesiyat Tajir', Maktaba Faize Quran, Karachi, 2006, page,11.

12 Laminas, 'Islam belief and institution', chapter 1, page.15, Hafiz Muhammad Arif Ghachi, 'Rasool Akram bahesiyat Tajir', Maktaba Faize Quran, Karachi, 2006, Page 11.

13 'Tareekh e Muhammad Salallahu alehi Wassalam', page 208-211, Hafiz Muhammad Arif Ghanchi, 'Rasool Akram Bahesiyat Tajir', Maktaba Faize Quran, Karachi, 2006, page 31.

14 Naqush, Rasool Salallahu Alehi Wassalam Number, Volume 2, Page 475, Hafiz Muhammad Arif Ghanchi, 'Rasool Akram bahesiyat Tajir', Maktaba Faize Quran, Krachi, 2006, page 35.

15 Tabqat Ibne Sa'ad, Volume 8, page 464, Hafiz Muhammad Arif Ghanchi, 'Rasool Akram bahesiyat Tajir', Maktaba Faize Quran, Krachi, 2006, page 49.

16 Muhammad bin Ismail Bukhari, 'Sahih Bukhari', book 'Barkat al-Ghazi fi Malih', Hadith, 3129, Hafiz Muhammad Arif Ghanchi, 'Rasool Akram Bahesiyat Tajir', Maktaba Faize Quran, Karachi, 2006, page 49.

17 Abu Naeem, 'Huliyatul Oliya', Volume 1, page 88, Hafiz Muhammad Arif Ghanchi, 'Rasool Akram bahesiyat Tajir', Maktaba Faize Quran, Krachi, 2006, page 49.

18 Imam Muhammad bin Yazid Bin Majah, Sunan Ibn-e-Majah, Kitab, 'Barkatul Khazi fi Mali', Hadith, 2139, Darussalam Publishers.

19 Dailmi, Volume 3, page 108, Hadith 4061, Hafiz Muhammad Arif Ghanchi, 'Rasool Akram bahesiyat Tajir', Maktaba Faize Quran, Krachi, 2006, page 50.

20 Holy Quran: Surah Al-Baqrah: 2: 276.

21 Ahmad Raza, 'Kanz-ul-Imaan', English Translation 'The Treasure of Faith' by Aqib Farid, Razivi Kitaab Ghar, Delhi, India, 2009.

22 Imam Muhammad bin Yazid bin Majah, Sunan Ibn-e-Majah, Kitab al-Tijarat, Bab al-taghlizi fi al-riba; Hadith 436, Darussalam Publishers.

23 Holy Quran: Surah Al-Baqra: 2: 275.

24 Ahmad Raza, 'Kanz-ul-Imaan', English Translation 'The Treasure of Faith' by Aqib Farid, Razivi Kitaab Ghar, Delhi, India, 2009.

25 Holy Quran: Surah Al-Baqra: 2: 278-279.

26 Ahmad Raza, 'Kanz-ul-Imaan', English Translation 'The Treasure of Faith' by Aqib Farid, Razivi Kitaab Ghar, Delhi, India, 2009.

مفکرِ اسلام امامِ اہلِ سنت احمد رضا خاں محدث حنفی قادری برکاتی عالمِ اسلام بالخصوص برصغیر پاک و ہند میں چودھویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم، عبقری فقیہ، عظیم محدث، ممتاز مفکر، ماہرِ تعلیم، ریاضی دان، سائنسدان، سیاست دان اور شاعرِ خوش نوا تھے۔ دنیا کے بیشتر زعما، برصغیر کے صدور، وزرائے اعظم، سپہ سالاران، اربابِ بست و کشاد، جج صاحبان اور جامعات کے شیوخ نے انھیں اتحادِ اسلام کا ہادی، عدمِ تشدد کا حامی، عقیدۂ توحید کا سپاہی اور عشقِ مصطفےٰ ﷺ کا داعی قرار دیا۔ امام احمد رضا نے مسلم معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنے کی بڑی جدوجہد کی اور ان برائیوں کی نشان دہی کی جو منشائے شریعت کے خلاف تھیں۔ اور شرک و بدعت کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔ ان کے شرعی فیصلوں، سائنسی، سیاسی، معاشی اور تعلیمی نظریات سے استفادہ کیا جائے تو عالمِ اسلام میں انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل اس عظیم شخصیت اور اتحادِ عالمِ اسلام کے علم بردار کے افکارِ عالیہ کی اشاعت کے لیے 1980ء سے آج تک شب و روز کوشاں ہے۔ فقہ و تصوف کے مجمع البحرین حضرت رضا کے اسلامی افکار پر عالمِ اسلام کے 30 سے زائد اسکالرز پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں اور متعدد پی ایچ ڈی زیرِ تکمیل ہیں۔ اسی طرح 15 اسکالرز ایم فل / ایم ایس کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں اور متعدد ایم فل زیرِ تکمیل ہیں جبکہ ایم ایڈ کے متعدد مقالا جات لکھے جا چکے ہیں۔ ''معارفِ رضا'' ادارے کے سلسلۂ اشاعت کی ایک اہم کڑی ہے، جو باقاعدگی سے مقامی اور عالمی سطح پر پچھلے 32 سال سے امام احمد رضا اور متعلقاتِ رضا پر تحقیق کرنے والے اسکالرز اور محققین کو ایک پلیٹ فارم مہیا کر رہا ہے۔ شیخ الاسلام کی خدمات سے آگاہی حاصل کرنے اور فروغِ رضویات کے سفر میں ادارے سے تعاون کے لیے زیادہ سے زیادہ افراد کو ''معارفِ رضا'' سے روشناس کرائیے۔